تعارفِ کتاب

بچّوں کی صحیح تربیت کی ضرورت و اہمیت سب سے زیادہ اس زمانے میں تسلیم کی جا رہی ہے۔ یورپ کے مختلف ماہرانِ تعلیم و عالمانِ نفسیات نے مختلف نظریئے اور طریقہائے تعلیم و تربیت قائم کئے ہیں جو سب کے سب اس امر پر یک زبان ہیں کہ یہ مقولہ قدیم سراسر غلط ہے کہ Spare the rod spoil the child
"چھڑی کا استعمال نہ کرنے سے بچّہ خراب ہو جاتا ہے"

ہمارا طریقۂ عمل ہمیشہ اسی مقولہ کے مطابق رہا ہے اور سالہا سال کی عادت نے ہماری طبیعت میں اسی اصول کو راسخ کر دیا ہے۔ ہم نے کبھی اس پر غور نہیں کیا کہ بچّہ ایک طرف اپنی فطرت میں معصوم ہے اور دوسری طرف اپنی خلقت میں اشرف المخلوقات جب تک بچّے کی سائیکالوجی (نفسیات) اور فزیالوجی (علم خواص الاعضا) پر غور کر کے اس کی تربیت کے اصول مقرر نہ کئے جائینگے فلاحِ نسل و بہبودِ قوم کی توقع فضول ہے۔

اس کتاب "فطرتِ اطفال" میں لائق مصنف نے جو اصولِ تربیت

بیان کئے ہیں وہ اس درجہ آسان اور قابل عمل ہیں کہ آج سے اگر ہم سب ان اصول کی پابندی اپنا فرض قرار دے لیں تو نسل آئندہ موجودہ سے بہتر اور تیسری نسل بالیقین تمام خوبیوں کے لحاظ سے مکمل بن سکتی ہے۔

اس کتاب میں بچّوں کی نفسیات کے تمام ضروری شعبوں پر بحث کی ہے اگرچہ مختصر ہے اور تفصیل کی بہت گنجائش رکھتی ہے لیکن ضروری اشارات سب درج کر دیئے گئے ہیں۔ بچّوں کی ازجی، رجحانات طبعی، تربیت تخیل احساسات لطیفہ، ملکۂ نقالی، تاثرات فطری اور تعمیر سیرت کے سات ضروری اور قابل توجہ عنوانات پر کتاب کو تقسیم کیا گیا ہے۔ اور ہر عنوان کے تحت میں بعض نئی اور دلچسپ تجاویز و اشارات ملیں گے۔

اگر میری اس ناچیز سعی کو پسند کیا گیا تو ممکن ہے کوئی بسیط کتاب اس موضوع پر پیش کرسکوں۔

میں نے آخر میں ایک مختصر فہرست ان الفاظ کی دیدی ہے جو اس کتاب میں بطور مصطلحات واقع ہیں تاکہ انگریزی لفظ میرے ترجمہ کو واضح اور اس کے مفہوم کو متعین کردے،

خاکسار
حامد حسن قادری

کانپور
۱۰ر جنوری ۱۹۲۶ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فطرتِ اطفال

(مترجمہ حامد حسن قادری اڈیٹر اخبار "سعید" کان پور)

پہلا باب

انرجی یا قوتِ عمل

یہ ایک واضح حقیقت اور نہایت اہم صداقت ہے کہ ہر دماغ کے اندر نیم شعوری حالت میں ذہانت موجود ہوتی ہے۔ ہر بچہ ایک مخفی استعداد لے کر پیدا ہوتا ہے جس کو اگر ترقی دی جائے تو ممتاز قابلیت غیر معمولی لیاقت اور عجیب ذہانت ثابت ہو سکتی ہے اس لئے یہ مسئلہ نہایت اہمیت رکھتا ہے کہ بچوں کے دماغ کی اس طرح تربیت کی جائے کہ اس کی تمام پوشیدہ قوتیں اور استعدادیں نشو و نما پا سکیں۔ ہر شخص کو

موقع ملنا چاہیئے کہ اپنے جوہر کو اعلیٰ سے اعلیٰ صورت میں نمایاں کر سکے۔

عہد ماضی میں ہمارا یہ اعتقاد تھا کہ اگر کوئی بچہ ابتدائے ولادت سے نمایاں قابلیت اپنے اندر ظاہر نہیں کرتا تو کوئی طریقۂ تربیت اس میں وہ قابلیت پیدا نہیں کر سکتا۔ ہم صرف اس بنا پر کہ بچے میں بظاہر آثارِ قابلیت نظر نہیں آتے سمجھ لیتے تھے کہ اس کے اندر جوہرِ قابل کا وجود ہی نہیں۔ اور اس سے یہ نتیجہ نکال لیتے تھے کہ اس کی زندگی معمولی ذہنی معیار سے بلند تر نہیں ہو سکتی۔ لیکن اب یہ حقیقت منکشف ہو گئی ہے کہ ہر بچہ خلقی طور پر ایک غیر معمولی استعداد لے کر پیدا ہوتا ہے خواہ وہ استعداد سطح پر نمایاں ہو یا نہ ہو۔ اور یہ بھی روشن ہو گیا ہے کہ موزوں تربیت سے وہ استعداد نمایاں کی جا سکتی ہے۔ اس واقعہ کو تسلیم کرنے کے بعد کسی بچے کی تربیت سے صرف اس عذر پر غفلت نہیں کرنی چاہیئے کہ ابتدا میں کوئی غیر معمولی ذہانت اس سے ظہور میں نہیں آتی۔

ایک کند ذہن بچے میں بھی بالکل ویسی ہی ذہانت اور جوہرِ قابل موجود ہوتا ہے جیسا ایک ذہین بچے میں۔ فرق صرف یہ ہوتا ہے کہ ذہین بچے میں ذہانت بر روئے کار آگئی ہے اور غبی میں اب تک مخفی ہے۔ لیکن ہر دماغ میں وہ جوہرِ قابل پوری قوت کے ساتھ عمل میں لایا جا سکتا ہے۔ بچوں کی با اصول (سائنٹفک) تربیت میں پہلا اصول پیش نظر رکھنے اور عمل کرنے کے قابل یہ ہے کہ ہر بچے میں ممتاز قابلیت، غیر معمولی لیاقت اور بیش بہا ذہانت موجود ہوتی ہے اور جو کچھ مخفی قوائے ذہنیہ

کے اندر موجود ہوتا ہے اس کو عملی طور پر ترقی دینا اور نمایاں کرنا ممکن ہے
یہ اعتقاد کہ بچے کی تربیت کسی خاص عمر مثلاً چھ آٹھ یا دس سال تک ملتوی رکھنی چاہیئے بچے کے فطری قانون نشو و نما کے خلاف ہے۔ اس اعتقاد کا ذمہ دار یہ واقعہ ہے کہ موجودہ طریق تربیت اکثر حالات میں بچے کی بہترین فلاح دماغی کے لئے نہایت ضرر رساں ہے جس کا سبب یہ ہے کہ یہ طریقہ دماغی قوتوں کو کمزور کر دیتا ہے اور اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ سطح دماغ پر جو قابلیت موجود ہوتی ہے وہ مردہ اور محروم ترقی رہ جاتی ہے۔ چونکہ ذہن کی وسعت قابلیت کے وجود کا احساس ہی نہیں اس لئے اعلیٰ قوائے ذہنی کو تحریک میں لانے کا بھی موجودہ طریق تربیت میں لحاظ نہیں رکھا گیا۔
واقعہ یہ ہے کہ بچے کی با اصول تربیت جس زمانے میں بھی شروع کی جائے قبل از وقت نہیں اس لئے کہ جب بچے کا نشو و نما باقاعدہ ہے تو ہر روز بچے کی فطری قوتوں میں خواہ وہ جسمانی ہوں یا ذہنی اضافہ ہوتا جاتا ہے جو کچھ اس وقت کیا جا سکتا ہے فوراً کرنا چاہیئے۔ اگر اس وقت نہ کیا جائے گا تو کچھ عرصہ کے بعد کرنا پڑے گا لیکن وقت کو رائیگاں اور قوت تحریک کو ضائع کرنا نامناسب ہے دنیا میں ہر چیز قابل توجہ ہے اس لئے کہ جو شے مفید نہیں وہ ضرور ہے کہ مضر ہو گی در توجہ و التفات ہر مفید و مضر شے کے ساتھ واجب ہے۔
ہر بچے کے اندر بہت کچھ بننے اور بہت کچھ حاصل کر سکنے کی مخفی قابلیت موجود ہے

جو بچہ ادنیٰ معیار پر رہ جاتا ہے وہ صرف اس وجہ سے رہ جاتا ہے کہ اس کی طرف سے غفلت برتی گئی۔ اس کی اس طور پر تربیت نہیں کی جاتی کہ ان قوتوں اور قابلیتوں کو جو اس کے اندر موجود ہیں نمایاں کر سکے۔ لیکن اگر ہم شخصی و قومی فلاح و بہبود کے خواہاں ہیں تو کسی ایک بچے سے بھی غفلت و بے اعتنائی روا نہیں رکھ سکتے۔

اس اصول کو تسلیم کرنے کے بعد کہ ہر بچّے کی خلقت میں بڑا آدمی بننے کی استعداد موجود ہوتی ہے ہماری کوشش یہ ہونی چاہیئے کہ اس کے قوائے تخیل و عمل کی اس طرح تربیت کریں کہ وہ جو کچھ کرے اس سے مخفی جوہر و ذہانت کے کارآمد بنانے میں مدد ملے۔ دوسرے الفاظ میں یوں کہنا چاہیئے کہ اس کو اس طور پر زندگی بسر کرنے کی تعلیم دی جائے کہ تمام اعمال حیات کا مدعا اس مقصدِ عظیم کی ترقی ہو یعنی ہر ایک شررِ عظمت و برتری کو جو اس کی خاکستر ہستی میں پنہاں ہے عملی رنگ میں جلوہ دینا۔ ہر ایک بچّہ بالیقین عظمت و برتری کی استعداد رکھتا ہے۔ یہ استعداد ہم سب کو بلا استثنا مبدء فیاض رب العالمین سے عطا ہوئی ہے اور اس امر کو جدید علم النفس نے ناقابل تردید طور پر ثابت کر دیا ہے اس لئے ہم کو اس عطیۂ ربانی کے منشا کے مطابق عمل کرنا چاہیئے اور ہر انسان کے لئے اس بات کو ممکن کر دینا چاہیئے کہ وہ اپنی فطرت کے مطابق بہتر سے بہتر بن سکے۔

بچّے کی بہترین فطری قوتوں کی ترقی وجلا کے لئے اس بات کی ضرورت ہے کہ ہم سب سے پہلے بچّے کو اس طرح تربیت کریں کہ جو عناصر حیات، محرکات عمل، اور قوائے ذہنی اس کی زندگی میں بالفعل نمایاں ہو چکے ہیں ان کا صحیح استعمال اور کامل نفع حاصل کرنا سیکھ جائے۔ اس تربیت سے نہ صرف یہ فائدہ ہوگا کہ اس کی بیدار قوتیں بالفعل صحیح مصرف اختیار کرلیں گی۔ بلکہ آئندہ جب ہم اس کی مخفی استعداد کے ترقی وتجلی کی کوشش کریں گے تو یہی بیدار شدہ قوتیں اس کے بیرونی سطح ذہن کو ذہنیات مخفی کے لئے مکمل وہموار میدانِ عمل بنا دیں گی۔

اس کام کے لئے پہلا اہم فرض یہ ہے کہ ہر بچے کی ترکیبِ حیات جو اِنرجی[1] (قوتِ عمل) اس کے اندر پیدا کرتی ہے اس کو صحیح راستے پر لگایا جائے۔ اوسطاً ہر بچّے میں اِنرجی کی کثیر مقدار ہوتی ہے اور بچہ اس کے صحیح استعمال سے واقف نہ ہونے کی وجہ سے اس کو بے پروائی، شرارت، بیدردی کی صورت میں

---

[1] اِنرجی (Energy) استعداد عمل اور قوتِ عمل کو کہتے ہیں۔ اس کے متعلق نہایت دلچسپ بحث کی گئی ہے اور ثابت کیا گیا ہے کہ ہر مخلوق کے اندر خواہ ذی روح ہو یا غیر ذی روح انرجی موجود ہوتی ہے اور اس پر سائنس کے بڑے بڑے مسئلے مبنی ومنحصر ہیں۔ انرجی دو قسم کی پائی گئی ہے۔ بالقوۃ اور بالفعل مثلاً اجسام متحرکہ میں، برقی رو میں، بھاپ میں، حرارت میں انرجی بالفعل ومتحرک وعامل ہے اور اجسام معلقہ میں، جھکی ہوئی کمانی میں، کھنچے ہوئے ربڑ میں بالقوہ ہے۔ جب ان پر سے موثرات خارجی کو دور کر دیا جائے گا اپنے مرکزِ اصلی یا ہیئت سابق کی طرف عود کر آئیں گی اور ان کی وہ حرکت انرجی بالفعل ومتحرک ہو جائے گی۔ بچے کی انرجی سے مراد اس کی قوتِ عمل، نچلا نہ بیٹھنا، کچھ نہ کچھ کرتے رہنے کا شوق ہے۔ میں نے ترجمہ میں انرجی ہی کا لفظ رکھا ہے کہ یہ اصطلاحی شان رکھتا ہے اور کافی مشہور و زبان زد ہے
(مترجم)

ضائع و برباد کر دیتا ہے اور اکثر اس درجہ غلط استعمال کرتا ہے کہ اس کی ذات کے لئے نیز دوسروں کے لئے مضر ثابت ہوتی ہے۔ اس کو ہمیشہ ایسے کاموں پر جو محض اس کا تقاضائے فطرت ہیں زجر و توبیخ کی جاتی اور اکثر سزا دی جاتی ہے۔ اس کے اندر انرجی موجود ہے اور جب تک وہ کسی نہ کسی صورت میں صرف نہ ہو جائے بچہ بالیقین نچلا نہیں بیٹھ سکتا۔ واقعہ یہ ہے کہ جب تک اس کو اس انرجی کا باقاعدہ اور تعمیری استعمال نہ سکھایا جائے گا وہ اپنے فوری جذبات و تحریکات کی پیروی کر کے اس کو بربادی کے لئے استعمال کرے گا۔

ہم کو یہ امر ذہن نشین رکھنا چاہیئے کہ بچے کو کبھی سزا دینے میں انصاف سے کام نہیں لیا جاتا۔ جب تک والدین بچے کو انرجی کا صحیح مصرف نہ سکھائیں اس پر بے پروایانہ و تباہ کن طریقہ پر استعمال کرنے کا الزام نہیں لگا سکتے۔ بچوں کی تمام شرارتوں کا سبب ایک ہی ہے یعنی انرجی کی افراط اور اس کے مفید استعمال سے واقفیت۔ اس بنا پر بچے کے لئے جس چیز کی ضرورت ہے وہ سزا نہیں بلکہ اس سے بڑھکر ایک چیز ہے یعنی عملی تربیت، بچی کبھی آلۂ تعلیم ثابت نہیں ہوئی اور نہ کبھی ثابت ہو سکے۔ کوئی شخص غلطی سے بچنے کی توقع نہیں کر سکتا جب تک اس کو صحت کا علم نہ ہو۔

ممکن ہے کہ سزا میلانِ بدی کو دبا دے، لیکن میلانِ نیکی پیدا نہیں کرتی۔ اور ساتھ ہی بڑھکر یہ کہ مستقل نیکی تو کبھی پیدا کر ہی نہیں سکتی۔ نیکی، صداقت اور

عزت ولولۂ عمل کو دبا دینے سے نہیں بلکہ صحیح راستے پر لگانے سے آتی ہے۔ بچّے کی زائد انرجی کو ہرگز دبانا اور روکنا نہیں چاہیئے کیونکہ اس کا دبا دینا ضائع کردینا ہے اور قوت ضائع کردینے کی چیز نہیں۔

جب ہم کو یہ معلوم ہوجائے گا کہ حیاتِ عظیم کی تعمیر کے لئے کس طرح قوت کو صرف کرنا چاہیئے تو جوش و قوت کی زیادہ سے زیادہ مقدار بھی زائد از ضرورت نظر نہ آئے گی۔ یہ بات بچّے کو اسی وقت سے سکھانی چاہیئے جب وہ آسان و سادہ الفاظ سمجھنے لگے۔ غیر منتظم اور بے پروایانہ زندگی سے بچّے کی انرجی ضائع ہوجاتی ہے۔ یہ صورت پیش نہ آنے دو۔ ہم اکثر بچّوں کی حرکات پر کہدیا کرتے ہیں کہ "آخر بچّے ہیں" "بچّے ہی جو ٹھیرے"۔ لیکن یہ خیال فطرت انسانی کے غلط تصور کا نتیجہ ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ بچّے کے لئے وحشی و بے پروا ہونا ضروری نہیں۔ بچّوں کے جوہرِ قابل کے اظہار و اثبات کے لئے شرارت ضروری نہیں۔ ایامِ طفلی کی وحشیانہ زندگی عہدِ جوانی کی عظمت کا ثبوت نہیں۔

اس نقطۂ نظر کا سبب بچّے کی نفسیات سے نہایت تاریک جہالت ہے اور چونکہ ہم عرصہ دراز تک اس خصوص میں جاہل رہے ہیں اس لئے ان لغویات کا اعتقاد ہماری عادت میں داخل ہوگیا ہے۔ بہرحال اگر ہم اپنے بچّوں کو بہتر سے بہتر انسان بنانا چاہتے ہیں تو ان خیالات کو دل سے نکال دینا لازم ہے۔ لیکن دوسری طرف بھی حد اعتدال سے تجاوز نہ کرنا چاہیئے اور یہ نہ خیال کرنا چاہیئے

کہ بچّوں کو نیک بننے کے لئے ہمیشہ خاموش اور دم بخود رہنا ضروری ہے۔ نیکی بیکاری محض اور خالی از حیات امن و سکون سے پیدا نہیں ہوتی بلکہ غیر معمولی مقدار حیات و عمل کو مفید اور تعمیری طریقہ پر صرف کرنے سے پیدا ہوتی ہے۔ بچّہ جو ایک ذی حیات مخلوق ہے لازم ہے کہ شور مچائے گا۔ یہی بات اس دستکار پر بھی صادق آتی ہے جو لوہے کا سامان بناتا ہے۔ بچّوں کے شور و غوغا سے ہم کو ہرگز اذیت نہ ہو اگر ہم یہ سمجھ لیں کہ شور و غل اشیاء کی ساخت کے لئے ایک حد تک ضروری ہے۔

جس چیز کے دبانے اور روکنے کی ضرورت ہے وہ بچّوں کا شور نہیں۔ بلکہ انرجی کا تباہ کن استعمال ہے۔ جو والدین بچّوں کو بالکل خاموش اور دم بخود رہنے پر مجبور کیا کرتے ہیں وہ حقیقت میں بچّوں کی فلاح مستقبل کی راہ میں ایک خطرناک رکاوٹ پیدا کرتے ہیں۔ اس لئے کہ انرجی کو دبانا نہ صرف اس کو ضائع کر دینے کے مساوی نہیں بلکہ اس سے بھی زیادہ مضرت رساں ہے۔ یعنی اس عمل کے تواتر سے انرجی کا پیدا ہونا کم ہو جائے گا اور انرجی جس قدر کم پیدا ہوگی اسی نسبت سے زندگی کم کامیاب ہوگی۔

دوسرا باب

رُجحاناتِ طبعی

بچّے کو زائد انرجی کا نفع بخش استعمال سکھانے کے مختلف طریقے ہیں۔ جن میں سے پہلا اصول یہ ہے کہ بچّے کا طبعی میلان دریافت کیا جائے اور پھر اس کے سامنے ایسے اشغال پیش کئے جائیں جو اس کی قابلیتوں کو تحریک میں لاسکیں۔ اس ترکیب سے اس کی مخفی استعدادوں کو نشوونما ہوگا اور اس کا دماغ خود سری، بے پروائی، شرارت کی طرف سے برابر منحرف ہوتا رہے گا۔

لیکن ایسے والدین بھی ہیں جو اپنے بچّوں کے ان میلانات کی ترقی کی طرف جو بچپن میں رونما ہوتے ہیں مطلق توجہ نہیں کرتے، جب تک وہ ان کے نزدیک قابلِ وقعت نہ ہوں۔ لیکن اگر بچّے کی حقیقی فلاح مدنظر ہے تو اس کی تربیت طبعی رجحان کے مطابق کرنی لازم ہے۔ اور اس کو کسی اور کام پر صرف اس وجہ سے کہ وہ کام والدین یا اعزّہ کی بلند خیالیوں کو مرغوب و محبوب ہے مجبور نہ کرنا چاہیئے۔

یاد رکھنا چاہیئے کہ ذہانت و طبّاعی اصل چیز ہے۔ پیشہ اور شغل کی نوعیت، حیثیت ناقابلِ اعتبار چیزیں ہیں۔ نتیجہ کے لحاظ سے کام کی نوعیت نہیں بلکہ کام کی خوبی و کمال ہی وہ چیز ہے جو عزت، مسرت اور تحسین کا باعث ہوتی ہے۔ اس پر

شک نہیں کہ بعض اوقات بچے کے ابتدائی رجحانات کے خلاف بھی اس کی تربیت لازم ہو جاتی ہے لیکن اس پر آگے چل کر بحث کی جائے گی۔

یہ خیال کہ بچے سے کچھ کام نہ لیا جائے صرف کھیلا ہی کرے غلط ہے۔ بچے کے نشو و نما کے لئے کام بھی نہایت ضروری ہے۔ اس لئے کہ جو انرجی کام میں صرف ہوتی ہے وہ تعمیری راستے پر لگ جاتی ہے اور بچے کی طبیعت میں تعمیری میلان پیدا کرتی ہے۔ یہ تعمیری رجحان جس قدر قوی ہوگا اسی قدر سرعت سے مختلف استعدادیں اور قابلیتیں ترقی پائیں گی۔ بشرطیکہ ترقی کی کوشش کی جائے۔ جو میلانات بچپن میں راسخ ہو جاتے ہیں وہ ہمیشہ نہایت قوی ثابت ہوتے ہیں۔

ان وجوہ پر بچے کے دماغ کو کسی تعمیری شغل کی طرف متوجہ کرنا نہایت ضروری ہے۔ یہ اصول اس وقت خصوصیت کے ساتھ صادق آتا ہے جب بچے کو ایسا کام دیا جائے جو اس کے لئے دلچسپ و پسندیدہ ہو۔ اس موقع پر یہ بات بھی ذہن نشین رہنی چاہیئے کہ اگر بچے سے اس کا پسندیدہ کام بھی ضرورت سے زیادہ لیا جائے گا تو وہ اس کے لئے وبال جان ہو جائے گا۔ اور مضر اثر پیدا کرے گا۔ کام کا انتخاب اور وقت کا تعین بچے کی مرضی پر چھوڑ دینا چاہیئے۔ اس صورت میں اگر بچے کو ضروری ہدایات دیدی جائیں اور اس پر اعتماد کیا جائے تو وہ اس کام کو نہایت ہوشیاری و دیانت داری کے ساتھ انجام دے گا۔

---

* یہاں بچے سے مراد تین چار برس کا بچہ ہے جو ہندوستان میں عموماً قابل تعلیم و تربیت نہیں سمجھا جاتا (مترجم)

یاد رکھو کہ بچوں پر اعتماد کرنا ضروری ہے۔ ہمیشہ ان کی فطرت معصوم پر کامل اعتماد رکھو کہ وہ تمہاری ہدایات کی تعمیل کریں گے اور شاذونادر ایسا ہوگا کہ تمہیں اپنے اعتماد میں مایوسی ہو۔

یہ بات کہ بچے کام سے نفرت کرتے ہیں کچھ بھی صداقت اپنے اندر نہیں رکھتی مشکل سے کوئی لڑکا ایسا ہوگا جو کچھ نہ کچھ مفید کام کرنے کا بالطبع خواہش مند نہ ہو شرط یہ ہے کہ اس کو کام کا انتخاب کرنے دیا جائے مجبور نہ کیا جائے۔ اسی طرح ایک چار برس کی بچی کو اگر اجازت دی جائے تو نہایت خوشی سے ماں کا ہاتھ بٹانے پر آمادہ نظر آئے گی اور بالیقین اس کو اجازت دینی چاہیئے خواہ اس کے کئے ہوئے کام کو دوبارہ کرنا پڑے۔ اگر آہستہ آہستہ بچی کو سکھایا جائے اور اس بات کا احساس دلایا جائے کہ اس کے کام کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھا جاتا ہے تو تھوڑے دنوں میں نہایت مفید مددگار بن جائے گی اور اس کے دماغ میں تعمیری رجحان ترقی پائے گا

بچوں سے مفید کام لینے سے اوّل تو ان کی انرجی برابر تعمیری راستے پر لگی رہے گی۔ دوسرے ان میں کام کرنے کا سلیقہ پیدا ہوگا۔ عملی نتائج ہی اصلی چیز ہیں اور جب کام کرنے کا سلیقہ ابتدائے عمر میں ترقی پانے لگے گا تو آیندہ زندگی میں تمام کاموں کو آسانی سے عملاً مفید بنا سکے گا۔ اس کی اہمیت زیادہ واضح ہوجاتی ہے۔ جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ بہت سے ذہین اور قابل آدمی صرف اس وجہ سے کہ ان کو صحیح طریق کار اور سلیقہ عمل نہیں آتا۔ اپنی زندگی میں کوئی قابل قدر

یادگار کام نہیں کر سکتے۔

ساتھ ہی اس بات کا بھی خیال رکھنا چاہئیے کہ بچّوں سے صرف اس لئے کہ ہم کو ان کی مدد کی ضرورت ہے ہر کام لینا بھی بڑی غلطی ہے۔ یہ ترکیب مفید نتائج پیدا نہیں کر سکتی بلکہ اکثر صورتوں میں بچّے کے لئے مضرت رساں ثابت ہوتی ہے۔ بچّے سے وہی کام لینا چاہئیے جس کی طرف وہ بالطبع مائل ہو۔ ایسے کام کے انتخاب میں اس کو مدد دینی چاہئیے اور کوشش کرنی چاہئیے کہ وہ اپنی بہترین قابلیتوں کو اپنی کوششوں میں صرف کر سکے۔ اس طریقے سے اس کے طبعی میلانات میں بھی ترقی ہوگی اور جس قدر انرجی پہلے ضائع ہوتی تھی وہ بھی مفید کام میں صرف ہونے لگی یعنی اس کی انرجی اس کے دماغ میں اور اس کی ذات کے اندر ایک تعمیری قوت بن جائے گی۔

آج کل پبلک اسکولوں میں دماغی تعلیم کے ساتھ ساتھ جو صنعتی تعلیم کی طرف توجہ ہونے لگی ہے یہ صحیح راستے کی طرف ایک قدم بڑھایا گیا ہے۔ لیکن اس کی تکمیل پوری طور پر اسی وقت حاصل ہوگی جب ہر بچّے کو فرداً فرداً اس کے قدرتی میلان طبع کے مطابق عملی تعلیم دی جائے۔ ہم کو اپنا نظام تعلیم بچّے کی ضرورتوں کے مطابق بنانا چاہئیے نہ یہ کہ بچّے کو جبراً اپنے نظام تعلیم کی مشین کا پرزہ بنالیں۔

دوسرا طریقہ جو بچّے کی زائد انرجی کو صحیح مصرف پر لگانے کے لئے اختیار کیا جا سکتا ہے یہ ہے کہ اس کو ایسے کھیل میں مشغول رکھا جائے جس میں قوتِ فکر اور

قوت عمل دونوں کی یکساں ضرورت ہو۔ اس ترکیب میں صرف عمل ہی عمل نہ رہے گا جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ شور و غل کم اور سکوت و سکون زیادہ پیدا ہوگا۔ دلچسپی گہری ہو جائے گی اور مسرت فراواں اور انرجی کی معقول مقدار دماغ کی طرف متوجہ ہو کر ذہن کی وسعت و قوت میں اضافہ کر دے گی۔

لیکن اس کا بھی لحاظ رکھنا ضروری ہے کہ انرجی کی غذا جسم سے چھین کر دماغ کو نہ دیدی جائے۔ اس لئے کہ قوی دماغ کے لئے قوی جسم کی بھی ضرورت ہے۔ البتہ انرجی کا وہ حصہ جس کی جسم کو ضرورت نہ ہو دماغ کی طرف متوجہ کر دیا جائے تاکہ انرجی ضائع نہ ہو۔ دماغ کی طرف متوجہ کرنے کا آسان طریقہ یہی ہے کہ بچّوں کو ایک حد تک ایسے کھیل کی ترغیب دی جائے جس میں غور و فکر بھی درکار ہو۔ یہ کھیل بڑی مسرت کا باعث ہوتے ہیں اور نہایت آسانی سے بچّوں کی روزانہ تفریح کا جزو بن سکتے ہیں۔

یاد رکھنا چاہیئے کہ بچے کو کھیلنے کا موقع دینا نہایت ضروری ہے۔ تفریح دماغ کے لئے ایسی ہی ضروری ہے جیسے سورج کی روشنی پھولوں کے لئے۔ اور یہ بات ایک حد تک ہر انسان کے لئے لازم ہے خواہ وہ دس برس سے کم کا ہو یا نوّے سے زیادہ کا۔ کوئی دماغ نشو و نما نہیں پا سکتا اور درست نہیں رہ سکتا۔ اگر روزانہ کچھ نہ کچھ سامانِ مسرت اس کو حاصل نہ ہو۔ نو عمر اشخاص کی زندگی مسرت و شادمانی میں بسر ہونی چاہیئے بلکہ بوڑھے ہو کر بھی ان کو اس اعتبار سے ہمیشہ نوجوان ہی رہنا چاہیئے۔ البتہ یہ بات ان کے ذہن نشین کر دینی چاہیئے کہ بارہ اور بیس

سال کے درمیانی عمر کو لاآبالی طریقہ پر اور بے پروائی کے ساتھ گزاردینا حقیقی مسرت وشادمانی کا مترادف نہیں ہے۔

ہم بخوبی واقف ہیں کہ عیش وعشرت کا زمانہ یا عنفوانِ شباب کی عمر اوسطاً صرف بیس بائیس سال تک ہوتی ہے۔ اس کے بعد جسمانی وذہنی قوت میں کمی شروع ہوجاتی ہے اور اکثر کوئی مرض مزمن لاحق ہوجاتا ہے جو عمر بھر رفاقت کرتا ہے۔ قوانین قدرت کو توڑ کر عیش ومسرت حاصل کرنا نہایت مضرت رساں ہے لیکن جیسا کہ ہم کو علم ہے اکثر آدمی ایسا ہی کرتے ہیں۔ مگر اس کا نام عیش وعشرت نہیں بلکہ سکرِ دماغ ہے۔ مخموری عقل ہے اور اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ لڑکیاں شگفتگی شباب کو کھو بیٹھتی ہیں۔ لڑکے اپنی جودت، اپنے جوش اور اپنی عزیمت کو ضائع کردیتے ہیں اور اکثر دونوں اپنی صحت، استعداد عمل اور جوش طبعی کو فنا کردیتے ہیں۔

لیکن اس خصوص میں نوجوانوں کو موردالزام نہیں قرار دے سکتے۔ اِنرجی کی کثیر مقدار ان کے اندر موجود ہوتی ہے اور وہ اس کے صرف کرنے پر مجبور ہیں ان کو اس بات کی تعلیم نہیں دی جاتی کہ کس طرح اپنی اِنرجی کو اعلیٰ قابلیت حاصل کرنے کے لئے صرف کریں۔ اس لئے نہایت اہم ہے یہ امر کہ بچے کو ابتدائے عمر سے ایسی مسرتوں اور تفریحوں میں مشغول رہنے کی تعلیم دی جائے جس سے دماغ اور جسم دونوں بہرہ اندوز ہوسکیں۔ ان دونوں مسرتوں کا مبارک اجتماع

قوانینِ حیات کی کامل مطابقت کے ساتھ بہترین نتائج کا حامل ہو گا اور یہ طریقہ تفریح بغیر ذرّہ برابر مضرت کے محض منفعت ہی منفعت ثابت ہو گا۔

بچّے کو چھ سات برس کی عمر کے بعد یہ تعلیم[۱] دی جائے کہ وہ روزانہ چند منٹ تک اپنی توجہ کو مختلف اعصابی مرکزوں پر مجتمع کیا کرے اور اس ترکیب سے اپنی انرجیوں کو جسم کے اندر محفوظ رکھنا سیکھے اور اسِ دورانِ اجتماع میں رفتہ رفتہ کوشش کرے کہ انرجیاں ان اعصابی مرکزوں اور دماغ کے مختلف حصّوں میں جمع ہو جائیں۔ یہ مشق بچّے کے لئے ایسی ہی ضروری ہے جیسی حروف تہجّی کی تعلیم۔ اور بچّہ اس کو بھی ایسی ہی آسانی سے سیکھ لے گا جیسے ا ب ت سیکھ لیتا ہے جس بچّے کو انرجی کے تحفظ و انتقال کی مشق کرائی جائے گی اس کے دماغ و جسم کی وسعت و قوت بدرجہ غایت بڑھ جائے گی۔ جس کی دنیائے کمال و فضیلت میں نہایت وقعت و قدر ہے۔

اس مشق کی بدولت بچّہ اس تولیدی قوّت کے غلط استعمال سے بھی محفوظ رہے گا جو جنسیت (ذکور و اناث) کے افعال خصوصی سے تعلق رکھتی ہے۔ اور

---

[۱] یہ مسئلہ غالباً اس مثال سے واضح ہو جائے گا کہ میرے ایک عزیز کا بچہ ہے آٹھ برس کا۔ نہایت ذہین ذکی مگر حد درجہ کا شوخ، چلبلا، بے چین۔ یعنی انرجی اس کے اندر معمول سے بہت زیادہ ہے۔ بچّے کے والد نے ایک شاہ صاحب سے بچّے کی شرارت اور تعلیم سے بے پروائی کی شکایت کی تھی۔ شاہ صاحب نے بچّے کو اپنے حلقہ میں بٹھایا اور ہر نماز کے بعد تھوڑی دیر مراقبہ کرنے اور ضربیں لگانے کی تعلیم دی۔ بچّے کو ایک کھیل ہاتھ آ گیا۔ بلاناغہ ہر نماز کے بعد عمل کرتا ہے۔ اس کو توانرجی صرف کرنی ہے۔ ایک طریقہ یہی سہی۔ یہ وہی مراکز عصبی پر اجتماع توجہ ہے۔ (مترجم)

دنیا میں اس سے زیادہ اہم کوئی چیز نہیں۔ اس خاص انرجی کے غلط استعمال نے ہزاروں نوجوانوں کی جودتِ ذہن کو فنا کر دیا ہے اور یہ واقعہ ہے کہ اگر سب کو بچپن ہی سے اس انرجی کے ضبط و تحفظ کی تعلیم دی جاتی تو آج دنیا میں جتنے بڑے بڑے آدمی ہیں ان سے بدرجہا زیادہ ہوتے۔

جس قدر جلد ممکن ہو بچے کو توازن عمل کی مشق کی تعلیم دی جائے تاکہ ایسے تمام افعال جو خلاف ہمت و جرأت ہوتے ہیں جن میں تطابق قائم نہیں رہتا اور جن سے انرجی ضائع ہوتی ہے۔ قطعاً سرزد نہ ہوں۔ اوسطاً ہر بچہ میں نہایت کثیر مقدار انرجی کی پیدا ہوتی ہے۔ اتنی کہ اگر مناسب طور پر صرف کی جائے تو غیر معمولی قابلیت و قوت پیدا کر سکتی ہے۔ پس یہ معلوم کرنا کہ بچے کی کس طرح تربیت کی جائے کہ وہ اس انرجی کو اپنے دماغ، اپنے جسم اور اپنی شخصیت کی بلند ترین تعمیر کے لئے استعمال کر سکے اور اس کے ساتھ ہی اپنا زمانۂ طفلی زیادہ سے زیادہ مسرت و تفریح میں بسر کر سکے، ایسا مسئلہ ہے جو اہمیت و وقعت میں دنیا کے کسی دوسرے مسئلے سے کم نہیں اور اس سلسلے میں جو ذرائع اور طریقے اور تجویز کئے گئے ہیں ان پر اگر دانش مندی کے ساتھ عمل کیا جائے تو نہایت قابلِ اطمینان نتائج برآمد ہو سکتے ہیں۔

تیسرا باب

تربیت تخیل

انسان کے اوصافِ ذہنیہ میں سب سے اہم چیز تخیل ہے۔ غیر معمولی قوت تخیل کے بغیر فضائلِ جلیلہ اور فوز عظیم حاصل نہیں ہو سکتا۔ اس صداقت کو تسلیم کرنے اور اس واقعہ کی تصدیق کے بعد کہ ہر بچہ غیر معمولی تخیل کا حامل اور اہل ہوتا ہے لازماً ہمارا سب سے بڑا مسئلہ یہ ہوگا کہ بچے کے دماغ کی کس طرح تربیت کریں کہ اس کے اصلی قوائے تخیل نہ صرف محفوظ رہیں بلکہ تعمیری مقاصد کے لحاظ سے نشو و نما پا سکیں۔ تخیل کا کام یہ ہے کہ بے شمار اثرات جو حواس ظاہرہ، احساسات لطیفہ یا خیالاتِ فطری کے ذریعے سے دماغ میں داخل ہوتے ہیں ان کو قبول کرے اور پھر ان اثرات کو نئے خیالات، نئے ذہنی تصورات، نئی دماغی کیفیات یا نئے ذہنی افعال میں محفوظ و مجتمع کرے۔

جدید خیالات جو اس طرح پیدا ہونگے دماغ کو اس قابل بنا دیں گے کہ وہ موجوداتِ ذہنی کا جدید اور بہتر استعمال کر سکے۔ نئے تصورات ذہن کو ترقی دیں گے۔ نئی ذہنی کیفیات تمام قوائے دماغی میں بہترین تبدیلی اور ارتقا پیدا کر دیں گی اور شخصیت انسانی میں بھی ویسے ہی تغیرات پیدا کرنے کی

باعث ہوں گی۔ نئے خیالات ایک حیات جدیدہ بخشیں گے جو ارتقائی صورت اختیار کرکے انسان کو انسان جدید یعنی مافوق الانسان بنا دے گی اور نئے افعالِ دماغی ایک اور ہی عالم کی طرف دماغ کی رہنمائی کریں گے جس کا نتیجہ مختلف اقسام کے انکشافاتِ جدیدہ ہونگے۔

اس بنا پر قوتِ تخیل کی اہمیت اندازہ سے باہر ہے لیکن اس قوت کو بہت کم آدمی مناسب طور پر استعمال کرتے ہیں جس کا سبب یہ ہے کہ ان کو بچپن سے مفید ترین، صحیح ترین، بلند ترین اور مکمل ترین تخیل پیدا کرنے کی تعلیم نہیں دی گئی بلحاظ اوسط ایک نوجوان آدمی میں بہت کم تخیل پایا جاتا ہے۔ اس لئے کہ اس تخیل کو بچپن ہی میں اس کے دماغ سے غلط تربیت کے ذریعے سے نکال دیا گیا تھا۔ یہی سبب ہے کہ اس کے اندر جدت پسندی بہت ہی کم یا بالکل نہیں پائی جاتی اور اکثر حالات میں وہ معمولی سطح سے بلند تر ہونے کی قابلیت ہی اپنے اندر نہیں رکھتا۔ تاہم موزوں دماغی تربیت کے وسیلہ سے وہ اپنی قوت تخیل کو پھر حاصل کرسکتا ہے۔

عصرِ حاضر کی تمام عظیم الشان ہستیاں، تمام مشاہیر رجال ونسوان صرف اس لئے اس بلند سطح پر نظر آتے ہیں کہ بچپن میں ان کے قوائے تخیل اس درجہ زبردست اور مستحکم تھے کہ مروجہ نظام تعلیم کے اثرات مخالف کا مقابلہ کرکے زندہ وقائم رہ سکے۔ لیکن یہی عورتیں اور یہی مرد موجودہ حالت سے کس قدر

کس قدر زیادہ رفیع الشان اور عالی منزلت ہوجاتے اگر ان کی ابتدائی تعلیم ان کے تخیلات کو تباہ کرنے کی جگہ ان کی ترقی کی کوشش کرتی۔ بہرحال ہم تصور کر سکتے ہیں کہ اگر آج کل کے بچوں کی مناسب طور پر تربیت کی جائے تو کیا سے کیا ہو جائیں گے۔

لیکن ہم کو اس بات سے یہ نتیجہ نہ نکال لینا چاہیئے کہ عظمت و رفعت کے لیے صرف تخیل ہی ضروری و کافی ہے۔ تخیل تو لوازم متعددہ میں سے صرف ایک چیز ہے البتہ ان سب میں ایسی اہم حیثیت ضرور رکھتا ہے کہ کوئی شخص بغیر غیر معمولی قوت تخیل کے حقیقی عظمت حاصل نہیں کر سکتا اور اپنی شخصیت کو بہترین صورت میں پیش نہیں کر سکتا۔ بہرحال بچے کو اس خصوص میں مناسب تربیت کرنے کی اہمیت روشن و واضح ہے۔

بچے میں اس قوت کو ترقی دینے کے لئے ضرورت ہے کہ اس کے دماغ کو ایسی چیزوں کے تصور سے قطعاً محفوظ رکھا جائے جو سراسر مفید ہی مفید نہ ہوں۔ بچے کے سامنے اشکالِ مہیب و اشیائے خوف انگیز کا تصور ہرگز پیش نہ کرنا چاہیئے۔ کسی قسم کی بُری اور مکروہ ہستی کا ذکر اس کے سامنے نہ کیا جائے۔ نہ کسی حالت میں اس کو تاریکی کا خوف دلایا جائے۔

نسلِ انسانی کی فلاحِ عظیم کی راہ میں بہت بڑی رکاوٹ میلان خوف اور احساس ہیبت بھی ہے۔ اس لئے ہر وہ ذریعہ اختیار کرنا چاہیئے جس سے خوف

دہشت کم ہوجائے۔ اور بہترین ذریعہ بچے کی مناسب تربیت تخیل ہے۔ اس لئے خوف کا وجود تمام تر تخیل ہی پر منحصر ہے۔ جب دماغ کسی قبیح یا مہیب شے کی تصویر پیش کرتا ہے تو گویا قوت تخیل کا غلط استعمال کرتا ہے اور عام طور پر فرضی مکروہ اور ناپسندیدہ اشکال و تصورات ذہن میں آتے رہتے ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ قوت تخیل راہ راست سے ہٹ جاتی ہے اور اس کا اثر آیندہ زندگی میں دماغ و جسم دونوں پر پڑتا ہے۔

کسی قوت کو مضر اور غیر صحیح مقصد کے لئے استعمال کرنا اس قوت کے تنزل کا مترادف ہے۔ اسی لئے جن بچوں کو ہمیشہ فرضی خوفناک چیزوں سے ڈرایا جاتا ہے۔ ان کا تخیل مریض و ضعیف ہوجاتا ہے۔ اگرچہ ان کو اس طریقہ سے ڈرانا اس غرض کے لئے ہوتا ہے کہ وہ نیک اور بہتر انسان بن سکیں۔ تاہم یہ امر بالکل واضح و روشن ہے کہ کوئی دماغ جو ضعیف تخیل رکھتا ہے صحیح و درست نہیں ہوسکتا۔ نہ کوئی شخص جو تخویف و ترہیب کے ذریعے سے نیک بنایا جاتا ہے نیک بن سکتا ہے۔

جو شخص واقعی نیک ہے وہ اس لئے نیک نہیں بنا کہ سزا سے ڈرتا ہے بلکہ اس لئے کہ اس کی دنیائے تخیل و عمل میں اس کے فطری اوصافِ حمیدہ کو غلبہ و برتری حاصل ہے۔ اس غرض سے نیک بننا کہ نیک بننا چاہیے بالکل مختلف ہے اس لئے نیک بننے سے کہ نیک بننے پر مجبور رہیں۔ پہلی صورت میں تم اپنے اندر ایک کیرکٹر اور نیک سیرت رکھتے ہو اور دوسری صورت میں تم اپنے ماحول کے ہاتھ میں محض

ایک کھلونا ایک آلہ ہو۔ وہ حکمراں اشخاص جو اپنے محکوم کو اسی آلہ و بازیچہ کے درجہ پر رکھتے ہیں فلاح نسل و ملت کے لئے بے شبہ سنگِ راہ ہیں۔

بڑی سے بڑی خدمت جو تم کسی انسان کی کر سکتے ہو یہ ہے کہ اس کو ہر حیثیت سے "انسان" بننے کی تعلیم دو ایسا انسان جو اپنے پاؤں پر کھڑا ہو سکے، جو کسی فانی ہستی کا محتاج نہ رہے، جو ایسا کیرکٹر حاصل کرے کہ اپنی زندگی پر خود حاکم ہو سکے اور خوف، عادت، یا خود ساختہ آقاؤں کا محکوم نہ ہو۔ اس سلسلے میں یہ بات یاد رکھنا نہایت ضروری ہے کہ جو نظام تخیل کسی انسانی دماغ کو دوسرے دماغ پر یہ تحکم و تفوق بخشتا ہے کہ محکوم ہر کام کے کرنے یا نہ کرنے کے لئے حاکم کے حکم کا محتاج بن جائے وہ اپنے متبعین کو محض ایک آلہ یا بازیچہ کے درجہ میں رکھنا چاہتا ہے۔ اور کسی انسان کو اس درجہ پر رکھنا جرم ہے، اور ایسی دشمنی جو نہ صرف کسی فردِ واحد بلکہ تمام نسلِ انسانی کے ساتھ کی جاتی ہے۔

اگر تم کسی شخص کو اس لئے نیک بنانا چاہتے ہو کہ نیک بننا واجب و ضروری ہے تو اس کے دماغ کو پاکیزہ، قوی اور صحیح بناؤ۔ لیکن کوئی دماغ مجلّیٰ اور طاقتور نہیں ہو سکتا اگر وہ ہمیشہ فرضی دیووں اور تاریکی کے بھوتوں کے خوف سے متاثر رہے گا۔ کسی بری چیز کا تصور کرنا گویا برائی کا نقش دماغ پر جمالینا ہے اور جو دماغ ہر قسم کی بری تصویروں سے بھرا ہو گا ہرگز اچھا نہیں ہو سکتا۔ کثیف پانی اگرچہ اپنے راستے پر بہتا رہے صاف پانی نہیں کہا جا سکتا۔ دماغ میں جس قسم کے

اثرات منقوش ہو جائیں گے اس قسم کے خیالات کی طرف رہنمائی کرتے ہیں اور خیالات اسی نوع کے رجحانات پیدا کرتے ہیں۔ اس لئے دماغ جتنا زیادہ بُرائی کا تصور کرے گا اتنی ہی بُرائی کی ترغیب قوی ہوگی اور انسان کے لئے راہ راست پر قائم رہنا اسی قدر زیادہ دشوار ہو جائے گا۔

جب ہم دماغ کو نیک، صحیح اور مفید تخیلات کی تعلیم دیں گے تو نیکی کی ترغیب اور خواہش دونوں قوی سے قوی تر ہوتی چلی جائیں گی اور ایک وقت میں اس درجہ قوی ہو جائیں گی کہ ہر ترغیب بدی پر آسانی سے غلبہ و فتح حاصل کر سکیں گی۔ اس بنا پر یہ ظاہر ہے کہ بچّے کے دماغ کو بُرے انسانوں اور فرضی بھوتوں کے تصور کا عادی بنانا اور اُن کی سزا سے ڈرانا نہ صرف اس کی قوت تخیل کو ضعیف و پست کر دیتا ہے جو عملاً بچّے کی ترقیات زندگی کو روک دینے کے برابر ہے بلکہ یہ ترکیب اس بچّے کے دماغ میں بُرائی کی ترغیب و خواہش کو ترقی دے گی اور وہ ہمیشہ ترغیبات بدی کا مطیع رہے گا۔ اس صداقت کو پیش نظر رکھکر ہم آسانی سے سمجھ سکتے ہیں کہ معمولی آدمی افعال ذمیمہ کی جانب کیوں آسانی سے مائل ہو جاتے ہیں۔ اور اکثر آدمی حقیقی قدر و عزت کے لائق کام کیوں انجام نہیں دے سکتے۔

بہر حال دماغ کو ہر وقت اور ہر حالت میں نیک، صحیح، صادق اور مفید تصورات کا عادی بنانے سے یہ حالت تبدیل ہو سکتی ہے۔ ایک عام اصول کی صورت میں اس کو یوں کہنا چاہیئے کہ مجسمہ بدی کو کسی شکل و صورت میں تصور میں نہ آنے دیا جائے اور

مجسمہ نیکی و راستی و عظمت و وقعت کو جس قدر زیادہ ممکن ہو تخیل کے سامنے پیش کیا جائے۔

کبھی کبھی یہ خیال پیدا ہوا کرتا ہے کہ اُس نیک ہستی کا تصور جس کا نام عام طور پر سنٹا کلاز[1] مشہور ہے۔ بچے کے ذہن میں پیدا کرنا غلطی ہے۔ لیکن اس مسئلہ کا ایک دوسرا پہلو بھی ہے۔ یعنی یہ ثابت نہیں کیا جا سکتا کہ اس نیک آدمی کے تصور سے بچّے کو کبھی نقصان پہنچا ہے اور یہ بات ثابت کی جا سکتی ہے کہ نیکی، خلق، مہربانی اور فیاضی کے مُجسموں کی تصویر بچّے کے دماغ کے سامنے پیش کرنی نہایت فائدہ مند ہے۔ یہ خیال کہ سنٹا کلاز کی ہستی کا بچّے کو یقین دلانا اس کو دھوکا دینا ہے قطعی غلط ہے۔ اس لئے کہ یہ نیک انسان مجسمۂ فیاضی کی حیثیت سے بے شبہ زندہ ہے اور یہی بات مہربان پریوں اور نیک فرشتوں پر بھی صادق آتی ہے۔ یہ سب ہستیاں بالکل ویسا ہی وجود رکھتی ہیں جیسا کسی ناول کے ایکٹر۔ اگرچہ یہ چیزیں گوشت و استخواں کا جسم نہیں رکھتیں۔ لیکن ان کی خاص دنیا میں ان کا بھی حقیقی وجود ہے اور ہم کو یاد رکھنا چاہیئے کہ ہمارے عزائم حیات کی جولان گاہ صرف لحم و استخوان یا مادّیات ہی نہیں ہیں۔

یہ بالکل صحیح ہے کہ فسانہ میں بھی ایک صداقت و حقیقت ہوتی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ

---

[1] سنٹا کلاز (Santa Claus) ایک فرضی انسان کا نام ہے جس کے متعلق فرض کیا گیا ہے کہ فربہ اور سُرخ و سفید آدمی ہے اور کرسمس (بڑا دن) کی شام کو بچوں کے لئے تحفے لایا کرتا ہے۔
(مترجم)

فسانہ بھی خاص معنوں میں ایک واقعۂ اصلی ہے۔ اب سوال ایسے فسانہ کے انتخاب کا ہے جو تخیل کو مفید اور تعمیری طریقہ کی طرف ترغیب و تحریص کرے اور اگرچہ تمام فسانوں کی بنیاد صداقت پر ہوتی ہے۔ تاہم اکثر فسانوں میں صداقت کو اس طور پر پیش نہیں کیا جاتا کہ وہ تخیل کو جدید و عظیم کارناموں کی جانب متوجہ کر سکے۔ اس لئے تمام فرضی معاملات میں نہایت صحیح انتخاب کی ضرورت ہے۔

بچے کو فرضی ہستیوں کے وجود کا تصور دلانا نہایت مناسب و مفید ہے بشرطیکہ وہ ہستیاں بچے میں ویسے ہی فضائل پیدا کر سکیں۔ یہ مشق بچے کی طبیعت میں مخفی بھیدوں اور نامعلوم عالموں کی جستجو کا میلان پیدا کرے گی جس کا لازمی نتیجہ آیندہ زندگی میں انکشافاتِ جدیدہ کی صورت میں ظاہر ہوگا۔ ترقی پذیر دماغ، موجد دماغ جدت پسند دماغ، بلند دماغ، مصلح دماغ۔ وہ دماغ جو بہترین اور برترین کام انجام دے سکتا ہے، غرض یہ سب قسم کے دماغ زندگی کے وسیع تر عالم کی جستجو اور تلاش کی طرف نہایت قوی میلان رکھتے ہیں۔ نامعلوم کو معلوم اور نایافتہ کو دریافت کرنا چاہتے ہیں۔ ہر ایجاد۔ ہر انکشاف اور ہر اصلاح جو کسی عہد نے پیش کی ہے نتیجہ ہوئی ہے اسی جستجوئے نامعلوم کی طرف رجحانِ طبعی کا۔ اس لئے اس میلان و رغبت کو ہر بچے کے دماغ میں پیدا کرنا نہایت ضروری و اہم ہے۔

اعلیٰ اور بلند ترین خیالات کی بچے کو تعلیم دینا نہایت مہتم بالشان امر ہے۔ اس لئے کہ اس قسم کے تخیل سے بچے کی ذہنی پرواز نہایت بلند ہو جائے گی۔ اور یہ بلند پروازی

جس قدر جلد حاصل ہو سکے اسی قدر بہتر ہے۔

بچے کو کثرت سے ایسے فسانے پڑھنے کو دئیے جائیں جو تخیل کو ابھاریں۔ اس میں روح پھونکیں، اس کو وسیع کریں اور ترقی دیں اور یہ طریقہ سب سے آسان اور نہایت صحیح ثابت ہوگا۔ اگرچہ اس کے علاوہ اور ذرائع سے بھی کام لینا چاہیئے حقیقت یہ ہے کہ جو کوئی ذریعہ اس مقصد کی تکمیل کے لئے میسر ہو۔ اس کو استعمال کرنا واجب ہے خصوصاً یہ ذریعہ کہ بڑے آدمی حقیقی زندگی سے مثالیں لے کر بچے کے دماغ کے سامنے پیش کیا کریں۔

مفید اور درست قسم کے فرضی قصوں کا کثرت سے مہیا کرنا بے شک ایک غور طلب مسئلہ ہے۔ اس لئے کہ پریوں کی کہانیاں اور خیالی افسانے اصولاً اس مقصد جلیل کو پیش نظر رکھ کر نہیں لکھے جاتے۔ بہرحال ایسے فسانوں کی معقول تعداد موجود ہے جو اس مقصد کو پورا کرسکتے ہیں اور جس قدر ضرورت بڑھتی جائے گی نئے فسانوں کی تعداد میں بھی اضافہ ہوتا جائے گا۔

جو لوگ مقتضائے وقت کو پہچانتے ہیں وہ سمجھ سکتے ہیں کہ ایک فسانہ نویس کے لئے کس قدر جدید و وسیع میدان موجود ہے۔ بچوں کے لئے ایسے قصے لکھنا جو نہ صرف دل کش و دلچسپ ہوں بلکہ ان کے دماغ کو اس طور پر اپیل کرنے کی قوت رکھتے ہوں کہ ان کے تخیل کو پہلے سے زیادہ روشن بنا دیں اور اس کے ساتھ ہی دماغ کے تمام امکانات جلیلہ کو نہایت با اصول اور سود مند طریقہ پر

جلوہ دے سکیں ایسی عظیم الشان خدمت ہوگی جس کی قدر و قیمت کا اندازہ مشکل ہے اور یہ کام فسانہ نویسی کی قابلیت رکھنے والوں کو صلائے عام دے رہا ہے۔
اوسطاً ہر بچّے کے دماغ میں غیر حقیقی چیزوں کے تصور کرنے یا ذہنی مرقع کھینچنے کی طرف میلان قوی ہوتا ہے۔ لیکن بچّے کو ایسی چیزوں کے تصور سے روکنا یا اس پر تمسخر کرنا سخت غلطی ہے جو تخیل تضحیک و تذلیل کے ساتھ عدالت دماغ سے بدر کردیا جاتا ہے۔ بہت ممکن ہے کہ وہ باہر ہی رہے اور پھر اندر نہ آسکے۔ اور جب تخیل رخصت ہوگیا تو گویا حیاتِ عظیمہ و جلیلہ کا اصلی راز ہی فوت ہوگیا۔ بچّے کے تخیل کی پہلی کوششوں پر ہنسنا ہرگز نہ چاہیئے بلکہ اس کی بجائے اس کی توجہ کو حقیقی اور واقعی چیزوں کے حسن اور دلفریبی کی جانب منعطف کرکے غیر حقیقی یا لغو فضول باتوں کی طرف سے منحرف کرنا چاہیئے۔ بچہ بغیر کہے دونوں کے فرق کو سمجھ جائے گا اور نادانستہ طور پر خود بخود حقیقت و واقعیت کے عجیب و غریب میدان کو اپنی بازی تخیل کے لئے انتخاب کرلے گا۔

اس سلسلے میں یاد رکھنا چاہیئے کہ تخیل کو زندہ رکھنے اور ترقی دینے کے لئے اس سے کام لینا واجب ہے۔ اس لئے کہ جب ہم بچّے کے دماغ کو فضول و لغو باتوں کی طرف سے پھیر رہے ہیں تو اس کے لئے کوئی بہتر و عجیب تر شغل مہیا کرنا بھی ہمارا فرض ہے جس پر وہ اپنی قوت تخیل کو صرف کرسکے اور جب ہم ان مفید و عجیب چیزوں کی طرف بچے کی رہنمائی کریں گے تو ہم کو محسوس ہوگا کہ

خود ہمارا تخیل بھی ساتھ ہی ساتھ ترقی کر رہا ہے۔ اس بنا پر یہ وقت اور کوشش نہایت مفید طریقے پر صرف ہوگی۔

حقیقی اور غیر حقیقی کے درمیان فرق کرنا ایک دوسرا مسئلہ ہے۔ اس لئے کہ میدان تخیل میں ہم دیکھتے ہیں کہ اوّل اوّل جو خیالات بالکل غیر حقیقی معلوم ہوتے تھے وہ آخر میں سراسر حقیقی و قابل عمل ثابت ہوتے ہیں۔ اس لئے اس مسئلہ کا فیصلہ صرف سطحی و ظاہری شکل و صورت پر نہ کر دینا چاہیئے۔ برخلاف اس کے عمل دماغی کا رجحان اس کی حقیقت کو متعین کرے گا۔ اس لئے کہ ہم کو صرف دماغی تخیلات سے تعلق نہیں بلکہ اصلی چیز وہ نتائج ہیں جو تخیلات سے بر آمد ہوتے ہیں۔

مثال کے طور پر یوں سمجھنا چاہیئے کہ تخیل کا ہر وہ عمل جو تخیل کو روشن تر بنا دے مفید اور تعمیری عمل کی صورت اختیار کرتا ہے اور حقیقی و واقعی کاموں کی تحریک پیدا کرتا ہے خواہ صورِ ذہنی و مرقعات خیالی اس کے برعکس ثابت ہوں اس طریقہ سے ہر عملِ تخیل جو دماغ کو وسیع و رفیع بنائے اور معظماتِ امور و بظاہر ناممکن کاموں کے انجام دینے کی خواہش کو ترقی دے بے شبہ نہایت مفید ہے۔

اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ وہ تخیل جو دماغ کو صحیح، عظیم الشان، خوبصورت حقیقی اور عجیب و حیرت ناک کاموں کی طرف متوجہ کرتا ہے مفید قسم کا تخیل ہے

جس کے پیدا کرنے کی بچّے کے دماغ کو ترغیب دینی چاہیئے۔ اس لئے کہ اس کا اثر صرف یہ نہ ہوگا کہ بچّے کے دماغ کی ہر قوت رو بترقی ہو جائے بلکہ اس کے تمام دماغی کوششوں میں مہمات بزرگ کارہائے وقیع اور مقاصد جلیلہ کو سر انجام کرنے کی روح پھونک دے گا۔

اس طریقہ سے غیر معمولی قوت تخیل جو اوسطاً ہر بچّے میں موجود ہوتی ہی زیادہ نمایاں ہو جائے گی اور اس قوت کے تمام اجزائے ترکیبی میں مادّہ تخلیق و ایجاد پیدا ہو جائے گا۔ اس کے یہ معنی ہوں گے کہ بچّے کو اس صحیح راستے پر ڈال دیا گیا ہی جو زیادہ کامیاب اور زیادہ قابل وقعت زندگی کی طرف لے جاتا ہے۔ اس لئے کہ خلّاق دماغ بے شبہ بہت بڑا دماغ بن جاتا ہی۔

چوتھا باب

احساساتِ لطیفہ

تقریباً ہر بچّے کے اندر ارزجی کی ایک غیر معمولی مقدار پیدا ہوتی ہی۔ اس کا تخیل صاف و روشن ہوتا ہی اور اس کے احساساتِ لطیفہ نہایت قابل عمل ہوتے ہیں۔ چونکہ بچّے کا مستقبل ان تینوں محرکات پر منحصر ہی اس لئے بچّوں کی با اصول صحیح یعنی سائنٹفک تربیت میں ہمارا پہلا قدم قدرتی طور پر یہ ہونا چاہیئے کہ اس

انرجی کے مفید و تعمیری استعمال کو ترقی دیں۔ تخیل کو جدت پسندی اور دماغی نشوونما کی طرف متوجہ کریں اور احساساتِ لطیفہ کو زندگی کے عظیم الشان کاموں کے عملی پہلو کی جانب راجع کریں۔

بچّے کی انرجی اور تخیل کے صحیح استعمال پر غور کرنے کے بعد اب احساساتِ لطیفہ کے درست استعمال پر غور کرنا چاہیئے۔ یہ بات ہم سب کو معلوم ہی کہ تقریباً ہر بچہ ایسے احساسات رکھتا ہی جو معمولی ذہانت و ذکاوت سے بلند تر اور لطیف تر ہوتے ہیں۔ لیکن ان احساسات کے مقصد و عمل کا ہم سب کو علم نہیں۔ اس لئے ان کی قوت سے بہت کم فائدہ حاصل کیا جاتا ہی۔

یہ واقعہ ہی کہ کسی شخص نے جو ان احساساتِ لطیفہ کا مالک نہیں کبھی عظمت و برتری حاصل نہیں کی اور کوئی شخص جو ان احساسات سے محروم ہی یا ان کو ترقی نہیں دیتا عظمت حاصل بھی نہیں کر سکتا۔ اس لئے بچّے میں ان احساسات کو مناسب طور پر ترقی دینا اور ان کو صحیح راستے پر لگانا انتہائی درجہ کی اہمیت رکھتا ہی۔ ان احساسات کو ہرگز دبانا نہ چاہیئے۔ جیسا کہ اکثر والدین یا استاد جب دیکھتے ہیں کہ بچّہ جبلِ حیات کی چوٹی پر چڑھا رہتا ہی یا کسی مافوق العالم دنیا کی سیر کرتا رہتا ہی تو اس کے لطیف احساسات کو پامال کر دیتے ہیں۔ عام طور پر اس حالت میں جلد سے جلد ایسے ذرائع اختیار کئے جاتے ہیں کہ بچّے کو پھر زمین پر لا ڈالا جائے اور گویا اس کو حواسوں میں لے آیا جائے اور اپنے نزدیک عملی انسان بنایا جائے

بعض اوقات یہ ذرائع جبر و تعدی پر مبنی ہوتے ہیں لیکن اس مقصد کو عموماً پورا کر دیتے ہیں۔ بلکہ کچھ اس سے بھی زیادہ اثر کرتے ہیں۔ یعنی بچے کو صرف زمین پر یا تحت الثریٰ میں نہیں پھینک دیتے بلکہ بچے کی جودتِ ذہن کے اس چھوٹے سے شعلے کو بھی بجھا دیتے ہیں جو اگر قائم رہنے اور بڑھنے دیا جاتا تو دنیا کو اپنی تیز روشنی سے منور کر دیتا۔

یہ بالکل صحیح ہے کہ دس میں سے نو بچے اپنی ذہنیات میں یہ شعلہ روشن رکھتے ہیں یعنی ان کے اندر وہ چیز ہوتی ہے جو موزوں تربیت و ترقی کے بعد نہایت اعلیٰ قسم کی دماغی قابلیت و جودت پیدا کر سکتی ہے۔ لیکن موجودہ نظامات تربیت میں نہ اس کی تربیت کی جاتی ہے نہ اس کو ترقی دی جاتی ہے۔ بلکہ اس کے برعکس عموماً اس کو عملی جدوجہد کا دشمن سمجھا جاتا ہے اور اسی لئے دبا دیا جاتا ہے۔

بہرحال اس سلسلے میں یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ عملی جدوجہد صرف معمولی چیزوں تک محدود رکھنے کی چیز نہیں بلکہ سب سے زیادہ عملی انسان وہ دقیق النظر، وسیع الفہم اور ذکی الذہن انسان ہیں جو بلند ترین اور لطیف ترین خواب دیکھتے اور ان کو زندگی کی جدوجہد میں صادق ثابت کرتے ہیں۔

بعض اوقات ان احساساتِ لطیفہ کو دبایا تو نہیں جاتا لیکن ان کی حالت پر چھوڑ دیا جاتا ہے تاکہ جیسا مقتضائے حالات ہو اس کے مطابق عملی صورت اختیار کر لیں یا اگر کوئی محرکِ عمل پیش نہ آئے تو بیکار پڑے رہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ

یہ قوت جو مناسب ہدایات کے ماتحت بلند ترین حقائق کو بر روئے کار لاتی اور نہایت گراں بہا خیالات پیدا کرتی، عالم وہم و فریب میں جد و جہد کے لئے تنہا چھوڑ دی جاتی ہے۔

جو قوت بغیر امتیاز و رہنمائی کے عمل کرتی ہے وہ گمراہ ہو جاتی ہے اور لازم طور پر خیالات باطل پیدا کرتی ہے۔ جو ہر نوع کی غلطیوں اور پریشانیوں کا باعث ہوتے ہیں جب ان احساساتِ لطیفہ کی دانشمندی کے ساتھ رہنمائی نہیں کی جاتی تو یہ فیصلہ و فہم کو گمراہ کر دیتے ہیں اور اشیاء کا غیر صحیح تصور دماغ کے سامنے پیش کرتے ہیں لیکن جب ان کو تفکر و تدبّر کے ساتھ صحیح راستے پر لگایا جائے گا اور عقل و شعور کے ساتھ ان سے کام لیا جائے گا تو نور عقل کو روشن تر بنائیں گے اور دماغ کو ہر شئے کا زیادہ وسیع زیادہ صحیح اور زیادہ جامع تصور دلائیں گے۔

یہی احساساتِ لطیفہ ہیں جو عظیم الشان اشیاء کا شعور پیدا کرتے ہیں۔ یہی احساسات ہیں جو دماغ کو حقائق عجیبہ کے کنارے پر لا کھڑا کرتے ہیں اور اُن حیرت ناک امکانات کو جو کائنات کے ہر ذرّے میں مخفی ہیں دنیا پر روشن کر دیتے ہیں۔ یہی احساسات ہیں جو دماغ کو ہر شئے کی روح کے اندر نفوذ کرنے کی قابلیت بخشتے ہیں اور حقائق اشیاء کو دماغ کے سامنے آئینہ کر دیتے ہیں۔

جب تک یہ احساسات عمل میں نہیں آتے دماغ کم و بیش تاریکی کی حالت میں رہتا ہے اور عموماً نابینا اشخاص کی طرح ٹٹولتا ہے۔ لیکن جب یہ عمل میں آجاتے ہیں تو دماغ ظلمت سے روشنی میں آجاتا ہے اور اس کو اس بات کا احساس ہو جاتا ہے کہ

وہ کیا ہے، کہاں جارہا ہے، کیا چاہتا ہے اور جو کچھ چاہتا ہے اس کے حاصل کرنے کے لئے کہاں جانا چاہیئے۔

ان احساساتِ لطیفہ کا مالک ہونا گویا اس باطنی دقیق نظری کو حاصل کر لینا ہے جو حق و باطل میں فرق پیدا کرتی ہے۔ جو وقیع و غیر وقیع میں تمیز کرتی ہے۔ جو نتائجِ مطلوبہ کو حاصل کرنے کا طریق عمل بتاتی ہے۔ یہی دقّتِ نظر وہ چیز ہے جو کامیاب اشخاص کو ٹھیک وقت پر صحیح کام کرنا سکھاتی ہے۔ نازک لمحوں میں نادر مواقع و اتفاقات سے فائدہ حاصل کرنا بتاتی ہے اور مہماتِ خطیرہ کو باوجود دشواریوں، مخالفتوں، مشکلوں اور دل شکن ناکامیوں کے کامیابی کے ساتھ انجام تک پہنچا دیتی ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ جب انسان یہ دیکھ لیتا ہے کہ کسی کام کے لئے ہر ضروری اور اہم قدم کس طرح اُٹھانا چاہیئے تو وہ تقریباً ہر کام کو انجام دے سکتا ہے اور یہ دُور بینی و دقیق نگاہی ان ہی احساساتِ لطیفہ کی بدولت حاصل ہوسکتی ہے۔

لیکن اکثر آدمی اس دقتِ نظر سے محروم ہیں۔ اس لئے کہ بچپن ہی میں یہ چیز تضحیک کے ذریعے سے ان کے دماغ سے نکال دی گئی تھی یا کامل طور پر دبا دی گئی تھی۔ چنانچہ وہ جس قدر عمل کرنے کی قابلیت ابتدائً رکھتے تھے اتنا نہیں کرسکتے جس زمانے میں وہ بچّے تھے بلندیوں پر پرواز کرتے تھے۔ بڑی بڑی چیزوں سے قرب و اتصال رکھتے تھے۔ مہماتِ جلیلہ کے انجام دینے کی قوت محسوس کرتے تھے اور اس دن کا خواب دیکھتے تھے جب کارہائے نمایاں سرانجام کرسکیں گے۔ لیکن ان کے

عملی دنیا میں رہنے والے والدین نے اپنی جہالت سے ان کو زمین پر لاگرایا اور وہ وہیں پڑے رہ گئے اور معمولی کاموں سے بڑھکر کچھ کرنے کی قابلیت ان میں باقی نہ رہی۔

یہ احساساتِ لطیفہ موجد، مصنف، مصور، شاعر اور معلم کے لئے ناگزیر ہیں اگرچہ تقریباً تمام دیگر پیشوں اور مشغلوں کے لئے بھی یکساں ضروری ولابدی ہیں۔ کوئی شخص کاروباری دنیا میں معمولی سطح سے بلند ہونے کی توقع نہیں کرسکتا تاوقتیکہ یہ احساسات اس کے اندر موجود نہ ہوں۔ یا وہ ان کو ترقی نہ دے سکے۔ اس لئے کہ معمولی معیار سے بلندتر ہونے کے لئے دماغ کو اس چیز کی رہنمائی کی ضرورت ہے جو غیر معمولی معیار کا شعور پیدا کرے اور احساساتِ لطیفہ کا خاص کام یہی شعور پیدا کرنا ہے۔

اکثر آدمی خیال کرتے ہیں کہ یہ احساساتِ لطیفہ سراسر کسی اور ہی کرۂ حیات کی ظنّی و فرضی باتوں سے تعلق رکھتے ہیں لیکن یہ بات حقیقت سے بعید ہے۔ اس کرۂ ارض کی حقائقِ عظیمہ اور اس حیاتِ موجودہ کی کیفیاتِ لطیفہ وہ چیزیں ہیں جو احساساتِ لطیفہ پر منکشف ہوتی ہیں اور ان احساسات ہی کا یہ کام ہے کہ دماغ کو تمام چیزوں کے اندر وسیع تر، بزرگ تر، بہتر، غیر معمولی اور حقیقی کیفیات کے دیکھنے اور سمجھنے کی قدرت عطا کرتے ہیں۔ جس وقت یہ احساسات کسی نامعلوم جدید عالم میں سرایت و نفوذ کرتے معلوم ہوتے ہیں تو وہ حقیقت میں ملکۂ شعور کو وسیع کرکے حیاتِ عظیمہ ذہنیہ کو وجودِ خارجی اور عملی زندگی بخشتے ہیں اور اسی

حیات ذہنی کے اندر ہم کو ارفع و اعلیٰ خیالات حاصل ہو سکتے ہیں، وہ خیالات جو اعلیٰ تجاویز، وسائل، فضائل اور کمالات کا سرمایہ ہیں۔

اس بنا پر یہ بات مضرت سے قطعاً خالی ہے کہ احساسات لطیفہ کو بظاہر نا معلوم عالم کی سیر کرنے دی جائے۔ خصوصاً جب کہ ہمارا مقصود اصلی یہی ہے کہ یہ احساسات جن اسرار کا انکشاف کریں ان کو عملی طور پر مفید بنایا جائے۔ لیکن دماغ کو ایسے خیالات و تجربات کے متعلق صرف نظریئے قائم کرنے یا خیالی پلاؤ پکانے کی اجازت دینا اس کو ہدفِ فریب بننے کے لئے آمادہ کرنا ہے۔ اس معاملہ میں بچّے کی تربیت کا اصلی مدعا ہمیشہ یہ ہونا چاہیئے کہ احساساتِ لطیفہ کے تمام اسرارِ منکشفہ کا عملی پہلو تلاش کرنے کی طرف رہنمائی کی جائے۔

جب بچّہ کوئی غیر معمولی خیال ظاہر کرے تو اس پر غور کرنا چاہیئے کہ اس کا روزمرہ کی زندگی میں کیا فوری استعمال کیا جا سکتا ہے۔ یہ سوال بچّے کے دماغ کو عملی پہلو کی طرف متوجہ کرے گا اور جس وقت احساساتِ لطیفہ کی قوتِ عملی استعمال کی قوت کے ساتھ متحد ہو جائے گی تو گویا ایک عظیم الشان دماغ کی بنیاد پڑ جائے گی۔ اس دماغ کی جو کار ہائے نمایاں انجام دے سکے گا، ایسے کام جو کامل طور پر وقیع قابل قدر ہوں گے۔

اکثر بچّوں میں احساساتِ لطیفہ محتاج ترقی تو نہیں ہوتے لیکن باقاعدہ ہدایات کے ضرور محتاج ہوتے ہیں۔ اس ہدایت میں دو مقاصد پیش نظر رکھنے ضروری

ہیں۔ ایک یہ کہ یہ احساسات برابر تحریک پاتے رہیں۔ دوسرے یہ کہ اس لطیف ذریعے جو خیالات پیدا ہوں ان کا عملی طور پر استعمال ہوتا رہے۔

پہلے مقصد کو حاصل کرنے کے لئے جس قدر جلد جلد ممکن ہو ہم کو اس بات کی خاص کوشش کرتے رہنا چاہیئے کہ بچوں کی توجہ کو زندگی کی لطیف چیزوں، ہر شے کے اعلیٰ ترین پہلو اور ان امکاناتِ علیلہ کی طرف جو ہر جگہ مخفی ہیں منعطف کیا جائے۔ بالفاظ دیگر یوں کہہ سکتے ہیں کہ بچوں کو ان اشیاء کے تصور کی ترغیب دی جائے جو معمولی درجہ سے بالا و برتر ہیں۔ یہ بات گفتگو اور سوال وجواب کے ذریعے سے بآسانی حاصل ہو سکتی ہے اور جب ان مکالمات کو دلچسپ بنایا جائے گا جو ہمیشہ بآسانی ممکن ہے تو بچے کے دماغ پر بہت اچھا اثر پیدا کریں گے۔ تاہم اس ترکیب پر خصوصاً ابتدا میں ضرورت سے زیادہ عمل نہ کیا جائے لیکن تھوڑے ہی عرصہ میں بچے کی دلچسپی اور شوق اس قدر بڑھ جائے گا کہ تم کو اس مضمون کی طرف توجہ کرنے کی مشکل سے اتنی فرصت مل سکے گی کہ بچہ اکتا جائے یا بدل ہو جائے۔ بہرحال اس کام کو آہستہ آہستہ اور بتدریج کرنا مناسب ہے۔

بہت سے بچوں کے خیالات نہایت عجیب ہوتے ہیں۔ گویا بیداری میں خواب دیکھتے ہیں لیکن ان کی تضحیک یا ان سے تجاہل روا رکھنا مناسب نہیں۔ ممکن ہے کہ ان خواب ہائے بیداری کے اندر وہی خیالات موجود ہوں جو آخر کار دماغ کو اعلیٰ سے اعلیٰ کمالات وفضائل کی طرف متوجہ کر سکتے ہیں۔ ان خیالات عجیبہ کو مفید راستے پر

لگانا چاہیئے اور یہ بات بچّے کے ذہن نشین کرنی چاہیئے کہ ان خیالات کے اندر بھی ایک بات ہے اس کے ساتھ ہی یہ بھی سمجھانا چاہیئے کہ تم اس بات کو خود دریافت کر سکتے ہو۔ اور جب وہ بات معلوم ہو جائے گی تو ایک بڑا انکشاف ثابت ہو گی۔ اس کی توجہ کو کسی اصلی و حقیقی چیز کی طرف جو اس کے غیر معمولی تجربات یا خیالات کے دائرہ کے اندر ہو مبذول کرنے سے اس کا دماغ اس چیز کی جستجو کی طرف متوجہ ہو گا اور اکثر حالات میں بیش قیمت خیالات پیدا ہو جائیں گے۔

یہاں ہم کو یہ قانونِ عظیم یاد رکھنا چاہیئے کہ جب کبھی لطیف۔ عظیم یا غیر معمولی چیزوں کی طرف توجہ دلائی جاتی ہے تو افعال دماغی ان اشیاء کی طرف تحریک پاتے ہیں۔ اس لئے کہ افعال دماغی ہمیشہ توجہ کی پیروی کیا کرتے ہیں۔ یہ قانونِ توجہ عملاً دماغ کو عالمِ لطیف و بالاتر کے اندر داخل کرنے کا باعث ہوتا ہے اور اس ذریعے سے ایک حد تک احساساتِ لطیفہ و قوائے جلیلہ کو بیدار اور مائل بہ ترقی کر دیتا ہے۔

جہاں یہ احساسات بالفعل حالت عمل و بیداری میں آ چکے ہوں وہاں زندگی کی کیفیات لطیفہ کی طرف توجہ کو برابر مبذول کرتے رہنے سے یہ حالت بیداری قائم رکھی جا سکتی ہے اور بچّے کے احساسات لطیفہ کو کامل و متواتر عملی حالت میں قائم رکھنے کا سب سے آسان راز یہی ہے۔ یہ واقعہ ہے کہ بچّے کی توجہ کو مبذول کر کے تم جو اعتقاد، جو میلان یا جو حالتِ عمل چاہو قائم رکھ سکتے ہو۔ نیز یہ کہ ہر نئے رجحان نئی قوت یا نئی حالت عمل کو اس کے اندر بیدار کر سکتے ہو۔

بچے کی توجہ قائم رکھنے کا راز اس کی دلچسپی کو قائم رکھنا ہے۔
چیزوں کو بچے کے سامنے اس طرح پیش کرو کہ اس کی دلچسپی میں اضافہ ہو اور
اسی عمل کی تکرار تھوڑے تھوڑے عرصہ کے بعد کرتے رہو۔ حتیٰ کہ نتائج
مطلوبہ حاصل ہو جائیں۔ اس قانون پر عمل کر کے بعض مذہبی جماعتیں تقریباً
ان تمام بچوں کو جو ان کی درس گاہوں میں تعلیم پاتے ہیں، اپنے دائرہ کے اندر قائم
رکھتی ہیں۔ وہ باضابطہ کششِ توجہ سے کام لیتی ہیں۔ اس لئے کہ جس طرف توجہ کو ہمیشہ
کھینچا جائے گا اسی طرف تمام افعالِ دماغی بھی کھچ جائیں گے اور بچے کے خیالات و
معتقدات قدرتاً اسی کے مطابق ہو جائیں گے۔

کسی خیال یا اعتقاد کی طرف متواتر توجہ کو جذب کرتے رہو اور دماغ اس
اعتقاد کے مطابق عمل کرنے لگے گا۔ یعنی وہی اعتقاد خواہ صحیح ہو یا غلط انسان
کے شعور و احساس پر نقش ہو جائے گا۔ اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ خیال کی باقی تمام راہیں
کم و بیش مسدود ہو جائیں گی۔ اس لئے کہ دماغ کو اسی ایک اعتقاد پر اپنی تمام
قوتیں مجتمع کرنے کی تعلیم دی گئی ہے۔ لیکن قانونِ توجہ کا یہ استعمال غلط ہے اور بچے کو
اس عمل کا تختۂ مشق ہرگز نہ بنانا چاہیئے۔ تنگ نظری، فرقہ بندی اور تعصب کی تمام
صورتوں کا ذمہ دار یہی عمل ہے۔ اور یہی طریق کار اس بات کو بھی واضح کر دیتا ہے کہ
لوگ اپنے ان خیالات پر جن کے متعلق انھوں نے بذاتِ خود کبھی غور نہیں کیا کیوں
قائم رہتے اور ان پر اصرار کرتے ہیں۔

ہمیشہ لطیف اور اعلیٰ چیزوں کی طرف توجہ کو منعطف کرتے رہو گے تو تمام افعال دماغی ان ہی اشیاء کی طرف تحریک پانے لگیں گے اور جو لطیف و اعلیٰ چیزیں ملکۂ شعور کے سامنے پیش ہوتی جائیں گی ان کو دماغ عمل میں لاتا رہے گا یہ طریق کار بجائے اس کے کہ دماغ کے میدانِ عمل کو محدود کرے شعور کو برابر وسیع کرتا رہے گا اور اس طرح جدّت خیال، آزادیِ خیال اور وسعت خیال پیدا ہوگی۔
ماہرانِ قانونِ توجہ پر روشن ہے کہ بچّے کی توجہ کو محدود خیالات و اعتقادات پر مبذول رکھنا بڑی غلطی ہے۔ اس لئے کہ اس ترکیب سے دماغ ایک ہی دائرہ تاریک میں گردش کرتا رہے گا۔ اور ضرورت بڑے دماغوں کے پیدا کرنے کی ہے نہ ایسے دماغوں کی کہ جس دریا میں ڈال دیئے جائیں اس کی موجوں کے ساتھ بہتے رہیں۔
ہر بچّہ نہ صرف بڑا آدمی بننے کے لئے پیدا ہوتا اور بڑا بننے کا حق رکھتا ہے بلکہ وہ اس بات کا بھی حق رکھتا ہے کہ اس کے تمام امکاناتِ عظیمہ کو حقیقی و عملی فوائد کے لئے ترقی دی جائے اور اس مقصد کے حاصل کرنے کا اصلی راز قانونِ توجہ کے صحیح استعمال کے اندر پوشیدہ ہے۔ اس لئے ہمارا اصلی مقصد یہی ہونا چاہئیے کہ بچّے کی توجہ کو لطیف، اعلیٰ اور غیر معمولی چیزوں کی طرف مبذول کریں۔ اور ہر حالت میں اس پر عمل کرتے رہیں۔ نتائج تمام صورتوں میں نہایت قابلِ اطمینان اور اکثر حالات میں نہایت شاندار برآمد ہوں گے۔

پانچواں باب

بچوں کا ملکۂ نقالی

بچہ فطرتاً نقّال واقع ہوا ہے۔ اس کے اندر دوسروں کے کہنے پر عمل کرنے سے زیادہ دوسروں کو کرتا دیکھکر خود بھی ویسا ہی کرنے کا میلان ہوتا ہے۔ اس لئے جو لوگ بچے کے ساتھ اکثر رہتے ہوں ان کو کوشش کرنی چاہیئے کہ اپنا کیرکٹر، اپنا مزاج، اپنے اشغال ویسے ہی بنائیں جیسے بچے کے اندر پیدا کرنے چاہتے ہیں۔ یہ تقریباً ناممکن ہے کہ کوئی بچہ تھوڑے ہی عرصہ میں اپنے سے برتر ہستیوں کا اتباع نہ کرنے لگے۔ اور بچے کی سائنٹفک تربیت کی رو سے نہایت ضروری ہے کہ ہر چیز جو بچے کے پیش نظر رہے اعلیٰ قسم کی ہونی چاہیئے۔ اس واقعہ کی اہمیت ہم کو بخوبی ذہن نشین ہو سکتی ہے اگر اس بات پر غور کریں کہ جو چیز برابر ہمارے پیش نظر رہتی ہے اس کا ایک خاص اثر ہمارے احساس و شعور پر پڑتا ہے۔ اس لئے ہر بچے کے لئے بہترین ماحول پیدا کرنا عین مصلحت ہے۔

ماحول کی ہر شکل و صورت دماغ پر اثر کرتی ہے اور ہر اثر جو بچے کے دماغ پر پیدا ہوتا ہے ایک اہمیت رکھتا ہے۔ فوراً اثر نہ ہوگا تو انجام کار ہو کر رہے گا۔ اس لئے بچے کے دماغ کو اُن ہی باتوں سے متاثر کرنا چاہیئے جو ہم اس کے اندر

پیدا کرنا چاہتے ہیں اور جس کثرت سے عمدہ اثرات پیدا کرنا چاہیں بے تامل پیدا کر سکتے ہیں اس لئے کہ جب تک بچّے کی دلچسپی قائم ہے اس کے دماغ پر ان کا بار نہ ہوگا۔

دماغ پر بار اس وقت پڑتا ہے جب غیر دلچسپ چیزیں زبردستی دماغ میں بھردی جائیں۔ انسانی دماغ دلچسپ چیزوں کے قبول کرنے۔ قائم رکھنے اور ان کو دلچسپ تر چیزوں میں تبدیل کرنے کی غیر محدود قابلیت رکھتا ہے۔ اس لئے مسلسل و مستقل دلچسپی پیدا کر کے دماغ کو نہایت وسیع کیا جا سکتا ہے اور اعلیٰ سے اعلیٰ پیمانہ پر اس کی تربیت کی جا سکتی ہے اور اس پر مطلق بار پڑنے یا اُکتا جانے کا اندیشہ نہ ہوگا۔

بچّے کے دماغ کی دلچسپی قائم رکھنے کے لئے وہ نقطۂ نظر تلاش کرنا چاہیے جو فطرتاً بچّے کے لئے دلچسپی کا موجب ہو۔ ہر چیز ایک مخصوص زاویۂ نگاہ کے اعتبار سے ہر شخص کے لئے دلچسپ ہو سکتی ہے اور جو شخص اس زاویۂ نظر کی جستجو کرے اس کو معلوم ہو سکتا ہے۔

بچّوں سے گفتگو کرنے کے دوران میں صرف ان اوصاف وخصائل پر زور دینا چاہیے جن کی فضیلت مسلّم ہو۔ کمزور پہلو جہاں تک ممکن ہو حذف کردیئے جائیں اور اگر بضرورت بیان کئے جائیں تو ہمیشہ ساتھ ہی ساتھ یہ بھی کہہ دینا چاہیے کہ یہ غیر اہم اور ناقابلِ توجہ ہیں۔ اس قسم کی گفتگو کو ہمیشہ تمام وکمال دلچسپ بنانا

چاہیئے لیکن بچّے کی فطرت کے کسی ایک ہی پہلو پر تمام توجہ دائر نہ رکھنی چاہیئے
کسی ایک ہی خیال کو مدنظر رکھکر تربیت کرنا دماغ کے لئے مضرت رساں ہے۔

اعلیٰ اور بلند مقاصد جتنی صورتوں میں ممکن ہوں بچّے کے سامنے پیش
کئے جائیں لیکن تبلیغی و ناصحانہ انداز اختیار کرنے سے گریز کرنا چاہیئے۔ بلکہ عمدہ
مثال اور اسوۂ حسنہ کے ذریعے سے متاثر کرنا بہتر ہے۔ کسی حالت میں بچّے کو
زجر و توبیخ نہ کرنا چاہیئے۔ بچّے کو کسی غلطی پر جھڑکنا اس کے دماغ پر اسی
خیال کا دوبارہ اثر پیدا کرنا ہے جس کی بنا پر اس سے غلطی سرزد ہوئی تھی اور
اس کام کے دوبارہ کرنے کا میلان پہلے سے زیادہ ہوجائے گا۔

اس میلان کا تدارک کسی حد تک خوف سزا کے ذریعے سے کر دیا جاتا ہے
لیکن جو دماغ ایسا میدانِ جنگ بنا دیا جائے جہاں ترغیبات خطا ہمیشہ ترہیبات بزا
سے برسرپیکار رہیں وہ ہرگز بہترین دماغ نہیں بن سکتا۔ ایسے حالات نہ صرف
دماغی استعداد و قوت کو ضائع کر دیتے ہیں بلکہ فطرت انسانی کے اندر جو قابل قدر
اور اصلی جوہر ہوتے ہیں ان پر بھی تباہی و موت وارد کر دیتے ہیں۔

اگر بچہ خود سر ہو تو ہمارا طریق کار دلیل و منطق ہونا چاہیئے اور بچّے کے
دلائل کو بھی ایسی ہی وقعت کی نظر سے دیکھنا چاہیئے جیسے بڑے آدمیوں کی
بلکہ خود اپنی دلیلوں کو دیکھتے ہیں۔ بچّے سے مساویانہ بحث کرو اور اگر تمھاری
رائے درست ہے تو وہ بہت جلد تسلیم کرے گا۔ لیکن والدین بچوں سے اس طرح

کبھی بحث نہیں کرتے بلکہ صرف اس بات کی کوشش کرتے ہیں کہ جن نتیجوں کو اپنے تجربہ کی بنا پر مسلم سمجھتے ہیں۔ ان کے تسلیم کرنے پر بچے کو مجبور کریں اور بچے کو اس کی وجہ نہیں بتاتے کہ وہ کیوں ان نتائج کو مان لے۔

بچے کے ساتھ استدلال سے کام لینا اس میں روشن خیالی اور صفائی ذہن پیدا کردے گا۔ اس لئے جب زجر و توبیخ کو ترک کرکے استدلال کو اس کا قائم مقام کیا جائے گا تو بچے کے اندر نہایت اہم ذہنی قابلیت پیدا ہو جائیگی اور گھر میں دور امن و سکون قائم رہے گا۔

ہر بچے کو خیالات کی آزادی دینی چاہیئے لیکن تخیل وا نزجی کے غلط استعمال سے بچنے کی تعلیم بھی دی جائے اس کے دل میں یہ خیال نہیں جمانا چاہیئے کہ جو کچھ چاہے اس کے کرنے کی اجازت ہے اور نہ ہر وقت اس کی خواہش کے خلاف جبر کرنا مناسب ہے۔ یہ کوشش کرو کہ تم جو کام اس سے لینا چاہتے ہو اس سے بچے کو دلچسپی پیدا ہو جائے۔

بچے کی تربیت کے لئے نہایت ضروری ہے کہ اس پر تحکم نہ کیا جائے بلکہ اس سے درخواست کرنی چاہیئے اور درخواست بھی شفقت کے ساتھ اور نرم لہجہ میں۔ اس ترکیب سے اس کو تمہارے ساتھ مساوات قائم ہو جائیگی اور اس کا اس کو حق ہے اور جب وہ اس مساوات کو محسوس کرلے گا تو اپنی ذمہ داریوں میں تم کو بھی شریک کرے گا اور تمہاری ذمہ داریوں کو خود

خود بتائے گا اور پھر تم اس سے جو کام کرانا چاہتے ہو اس میں تمھارے برابر اس کو بھی دلچسپی پیدا ہو جائے گی۔ اگر بچہ تمھاری فرمائش کے مطابق عمل کرنے سے انکار کرے تو اس کو وجوہ و دلائل سمجھاؤ۔ وہ فوراً قائل ہو جائیگا اور ان دلائل کی تلاش میں خود تمھارے قوائے مخفیہ دماغی بھی تحریک پائیں گے جو کچھ کم اہم بات نہیں ہے۔

اگر بچّے کے دلائل قوی ہوں جیسا کہ اکثر ہوتا ہے تو بزرگ خود ان سے فائدہ حاصل کر سکتے ہیں اور اس حالت میں بچّے کی جودت ذہن کی ترقی میں سعی مزید اور آزادی رائے وخیال میں اس کی ہمت افزائی کرنی چاہیئے۔

بچّے کی تربیت میں ہر سعی و عمل کا مرکزی و اصلی مقصد اکتساب عظمت و برتری ہونا چاہیئے۔ باقی تمام مقصد اسی ایک مرکز و محور پر دائر رہیں۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ اور سب مقاصد بھی حاصل ہو جائیں گے یہ گویا ہر میدان میں ترقی کرنے کے مترادف ہے۔ دماغ ہر وصف میں قوت و کمال کا اضافہ کرے گا اور کوئی اعلیٰ استعداد محروم ترقی نہ رہے گی۔

بہر حال بچّے کو کسی ایسے نقطۂ نظر کے مطابق تعلیم نہیں دینی چاہیئے جس کی طرف اس کا طبعی میلان نہ ہو۔

تمام تربیت بچّے کے موجودہ میلانات کے مطابق کرنی لازم ہے۔ بچّے کو ہر ارادۂ اکتساب میں عظمت و خوبی کی طرف متوجہ کرو۔ دماغ رفتہ رفتہ ہر معمولی

وادنیٰ معیار سے بالاتر ہو جائے گا۔ اس طریقہ سے معمولی وسادہ خواہشات دنیائے کمالات کی معظم واہم خواہشات بن جائیں گی۔ کوئی ترقی پسند دماغ ابتدائی خواہشات پر اگروہ ادنیٰ اور غیر وقیع ہونگی قانع نہ رہے گا۔ لیکن دماغ کی ترقی اسی پر منحصر ہے کہ ان ہی مقاصد، خواہشات اور رجحانات سے آغاز عمل کیا جائے جو بالفعل موجود و تحریک پزیر ہیں۔

بچے میں جس شغل یا پیشہ کا رجحان نظر آتا ہے اس کی طرف ذہن کو ترقی دینے کے لئے لازم ہے کہ اس کے دماغ اور خاص قابلیتوں پر پوری توجہ کی جائے۔ دماغ ذہن کا آلہ ہے اور اس لئے اگر قابلیتوں اور قوتوں کو درجۂ کمال پر پہنچانا ہے تو اوصاف اور وسعت دونوں میں ارتقاے ذہن لازم ہے۔ بچے کی توجہ کے ضبط و جذب کے ذریعے سے اس کے ہر حصۂ دماغ کا نشو و نما قدرتی اور باضابطہ طور پر کیا جا سکتا ہے۔ اس لئے کہ جس طرف توجہ کی کشش ہوتی ہے وہیں ذہنی قوتِ عمل مجتمع ہو جاتی ہے اور اسی سمت میں اس کی تعمیر و ترقی ہوتی ہے۔

جب بعض خاص اوصاف و فضائل پر اس طرح توجہ مبذول کی جاتی ہے کہ گہری دلچسپی پیدا ہو جاتے تو لازم طور پر ذہن اس حصۂ دماغ پر جو ان اوصاف کا منبع ہے اپنی تمام قوت صرف کر دیتا ہے۔ اس طریقہ سے ہر حصۂ دماغ کو خالص ذہنی وسائل ہی سے نمایاں طور پر ترقی دی جا سکتی ہے۔

اگر بچے کو مشین کے کام کا شوق دلایا جائے اور روزانہ اس کام سے اس کے اندر دلچسپی پیدا کی جائے تو اس کی ذہنی قوت اس حصہ دماغ کی طرف جو شوق مشین سازی سے تعلق رکھتا ہے متوجہ ہو جائے گی۔ اور اس طرح بچے کے دماغ اور قابلیتوں میں مستقل و باضابطہ ترقی ہونے لگے گی۔ جس مضمون، مقصد شغل یا پیشے سے بچے کو دلچسپی پیدا کرائی جائے یہی نتائج برآمد ہوں گے۔ اصول یہی ہے کہ جن اوصاف اور قابلیتوں کی ترقی منظور ہو ان کی جانب بچے کی توجہ کو خاص طور پر جذب کیا جائے۔

عام تعلیم کے دوران میں یہ مشق و عادت ڈلوائی جائے کہ بچہ کسی چیز کو صرف یاد نہ کر لیا کرے بلکہ اس پر غور بھی کیا کرے جو دماغ اچھی طرح غور کر سکتا ہے وہ عموماً تمام ضروری چیزوں کو یاد رکھ سکتا ہے۔ کمزوری حافظہ اصولاً فقدان غور و خوض کا نتیجہ ہوتی ہے۔ صفائی، تسلسل اور استقلال کے ساتھ غور کرنے کی عادت ڈالو تو یہ طاقت حاصل ہو جائے گی کہ تقریباً ہر چیز جس وقت چاہو یاد آ جایا کرے گی اس لئے عام طریقہ ہائے تعلیم جن میں تیزی ذہن کے بغیر ترقی حافظہ کو مدنظر رکھا جاتا ہے غلط راستے پر چل رہے ہیں۔

صفائی غور و خوض کی قوت پیدا کرنے کے لئے بچے کو جرأت دلائی جائے کہ وہ ہر مضمون اور ہر واقعہ کے متعلق اپنی ذاتی رائے قائم کیا کرے اور بڑے آدمیوں کو چاہیئے کہ ان خیالات و آراء کو فضول و بے کار سمجھ کر نہ چھوڑ دیں

بلکہ ان پر اسی طرح غور کریں اور ان کا کامل طور پر تجزیہ کریں جیسے قابل اور ماہر دماغوں کی رایوں کا کرتے ہیں۔ ممکن ہے کہ بچے کی رائیں بھی ویسی ہی وقیع ثابت ہوں۔ بہت سے بچوں کو القا یا الہام ہوتا ہے۔ لیکن عموماً اس کی طرف سے بے پروائی برتی جاتی ہے۔ اس لئے کہ بچوں کے اندر کسی انکشاف یا اختراع کی قوت تسلیم نہیں کی جاتی۔ لیکن ان میں سے اکثر الہامات صدیوں بعد ماننے پڑتے ہیں اور اس دوران میں دنیا کو صرف اس وجہ سے نقصانِ عظیم برداشت کرنا پڑتا ہے کہ ان القائی رایوں کو اسی وقت جب کہ بچے کے ذہن نے ان کو پیش کیا تھا اختیار نہیں کر لیا گیا۔

جب جدید اور اصلی خیالات ظاہر ہوں تو ان کی ہمت افزائی کرنے سے دماغ میں اسی قسم کے خیالات پیدا کرنے کی قوت بڑھتی ہے۔ بہت سے بچے جو عظیم الشان انکشافات یا اکتساب کمالات کے کنارے پر کھڑے ہوتے ہیں محض اس وجہ سے کہ بارِ تضحیک و ہمت شکنی ان کے لئے ناقابلِ برداشت ہوتا ہے حیاتِ عامیانہ کے قعر میں گر پڑتے ہیں۔ اس لئے ہمارا فرض ہے کہ کسی بلند خیال مخترع و موجد کی تذلیل و رسوائی سے احتراز کریں اور بچوں کی سائنٹفک تربیت کے وسیلہ سے ہمارا یہ مقصد حاصل ہو سکتا ہے کسی قابلیت کو قدر و استحسان کی نظر سے دیکھنا خواہ وہ کیسی ہی محدود اور کتنی ہی قبل از وقت کیوں نہ معلوم ہو قابلیت مزید کے لئے راستہ کھول دینا ہے اور ہر دماغ کی تربیت میں اس کو پہلا قانون سمجھنا چاہیئے۔

چھٹا باب

بچّے کے تاثّرات

بچّے کا دماغ ہر ایسے اثر کے لئے نہایت حسّاس واقع ہوا ہے جس سے اس کا شعور متاثر ہو اور جو اثر اس کے دماغ پر پڑجاتا ہے وہ عموماً مدت العمر قائم رہتا ہے اور بغیر خاص کوشش کے زائل نہیں ہوتا۔ ہر اثر ایک میلان پیدا کیا کرتا ہے اور جو میلان بچپن میں راسخ ہوجاتا ہے وہ شعور خفی میں جاگزیں ہوجاتا ہے طبیعت ثانیہ بن جاتا ہے اور دماغ ونفس پر برسوں یا عمر بھر اثر انداز رہتا ہے۔ اگر یہ میلان خلاف فلاح وبہبود ہوتا ہے تو بچّے کی زندگی میں سنگ راہ بن جاتا اور اس کے ہر کام میں خلل انداز ہوتا ہے۔ یہ سچ ہے کہ اگرچہ بڑا ہوکر قوانین ذہنی کے استعمال میں ماہر ہوجائے تو ان میلانات کو دور کرسکتا ہے لیکن اُس وقت بھی بڑا وقت اور کوشش ان مضر تاثرات کو دفع کرنے کے لئے درکار ہوگی۔ اس لئے ان میلانات کو ابتدا ہی میں روک دینا مناسب ہے۔

ہم کو تجربہ ہوا ہوگا کہ جو چیز بچپن میں شعور خفی پر نقش ہوگئی ہے اس کے محو کرنے میں کیسی دشواریاں پیش آئی ہیں۔ اگر ہم کامل آزادی حاصل کرنا اور اپنے آپ کو بہتر اور مفید تر زندگی کے لئے تیار کرنا چاہتے ہیں تو یہ کام بھی نہایت ضروری

ہی۔ کوئی وجہ نہیں کہ ہم یہ دشواریاں نئی نسل کے لئے پیدا کریں جب کہ ان کا تدارک ممکن ہی اور فی الواقع ممکن ہے۔ بچے کی آیندہ زندگی بجائے اس کے کہ ان غلطیوں کے رفع کرنے میں صرف ہو جو ابتدا ہی میں آسانی سے دُور کی جا سکتی ہیں زیادہ مفید طریقہ سے بسر ہو سکتی ہے۔

عمدہ اثرات جو ابتدائے عمر میں پیدا ہو جائیں گے نہ صرف ذہن کی تعمیر کریں گے بلکہ دماغ کو ترغیبات بدی سے محفوظ رکھنے میں مدد دیں گے۔ ایسے اثرات گویا مشکلات میں ستارۂ رہنما بن جائیں گے اور روزمرّہ زندگی کے مختلف تجربات کو بڑی حد تک مکمل و مربوط بنانے کا ذریعہ ثابت ہونگے اور اس طرح تمام کیفیات و حالات زندگی کو حصول فلاح و صلاح کے لئے متحد و متفق بنا دیں گے۔ جب ہم سمجھ لیں گے کہ غلط اثرات جو بچے کے دماغ میں داخل ہوتے ہیں آخر کار بچے کو سوسائٹی کے لئے وبال بنا دیتے ہیں اور صحیح اثرات جو ابتدائی زمانے میں پیدا ہو جاتے ہیں بچے کے شاندار مستقبل کا باعث ہوتے ہیں تو ہم بچوں کے قانون تاثرات پر زیادہ سے زیادہ توجہ مبذول کرنے کے لئے تیار ہونگے۔

بچے کا دماغ مختلف صورتوں سے اثر حاصل کرتا ہے۔ لیکن سب سے گہرا اثر تقریر و گفتگو کا پڑتا ہی۔ خصوصاً والدین یا استادوں یا ان لوگوں کی تقریر کا جن پر بچہ اعتماد رکھتا ہی۔ اس لئے بچوں سے گفتگو کرنا بھی بڑا ہنر و فن ہی۔ اگر ہم بچے کی با اصول تربیت چاہتے ہیں اور اس کے دماغ کو مفید و قابل وقعت بنانا چاہتے

ہیں تو اس فن کا سائنٹفک مطالعہ ہمارے لئے لازم ہے۔
چونکہ مخالف اثرات ذہن کے لئے اکاس بیل بن جاتے ہیں اور اکاس بیل اکثر کارآمد درختوں کو فنا کر دیتی ہے۔ اس لئے ہم اندازہ کر سکتے ہیں کہ کتنے دماغ صرف اس وجہ سے کہ ان پر مفید اثرات نہیں ڈالے گئے۔ بچپن ہی میں تباہ ہو جاتے ہیں۔ بعض بچے بڑے ہو کر ان موانع ترقی پر غالب آ سکتے ہیں لیکن تعداد کثیر بڑی حد تک ان سے مغلوب ہی رہتی ہے۔
روزانہ ایسے مرد اور عورتیں نظر آتی ہیں جو بالکل معمولی بلکہ اکثر بیکار زندگی بسر کرتی ہیں۔ لیکن اگر ان خوش رنگ و خوش بو پھولوں کو ابتدا ہی میں نامناسب ذہنی تاثرات کی اکاس بیل سے مضمحل و پژمردہ نہ کر دیا جاتا تو وہ بے شبہ بڑی عزت و عظمت حاصل کرتے اور نوع بشر کی اعلیٰ سے اعلیٰ خدمات انجام دیتے۔
جو لوگ دنیا کے قوانینِ عمل میں ماہر ہو جاتے ہیں وہ ان موانع پر غالب آ کر آخر کار اپنے پیدائشی و اصلی حقوق حاصل کر سکتے ہیں لیکن کوئی وجہ نہیں کہ جس زمانے کو کسبِ کمالاتِ دماغی و روحانی میں صرف کیا جا سکتا ہے اس کو مضر و مخالف اثرات کے دور کرنے میں ضائع کیا جائے۔
عظیم الشان انسانوں کی دنیا میں بڑی کمی ہے۔ اس لئے ہر شخص کو اس کمی پورا کرنے کا زیادہ سے زیادہ موقع دینا چاہیئے اور اس کے راستے سے ہر قسم کی رکاوٹ کو ہٹا دینا چاہیئے۔ ہر بچہ جو دنیا میں قدم رکھتا ہے اس بات کا

حق رکھتا ہی کہ بہترین مواقع و حالات کے مطابق بڑے سے بڑا انسان بن سکے۔ اور اعلیٰ سے اعلیٰ کمالات حاصل کر سکے۔ اس لئے ہر بچّے کے ساتھ عدل و انصاف کرنے کے یہی معنی ہیں کہ اس مضمون تاثر و تعمیر دماغ پر کافی توجہ کرنی چاہیئے۔

بچّے کی موزوں تربیت نہایت وسیع مضمون ہی۔ لیکن اس کی بنیاد چند اساسی اصول پر قائم کی جا سکتی ہی اور بچّوں کے ساتھ روزانہ گفتگو کے دوران میں ان اصول کا صحیح استعمال کرنے سے نہایت عمدہ نتائج برآمد ہو سکتے ہیں۔ یہ بات اصول اولین میں سمجھنی چاہیئے کہ بچّے کو ذہین اور قابل لوگوں کے درمیان رکھا جائے اور ہر قسم کی گفتگو میں ذہانت و بلند خیالی کا اظہار کیا جائے۔ کسی بچّے کو جاہل اور ناشائستہ (نرس) (اتالیق) کی نگرانی میں نہ رکھنا چاہیئے۔ بچّے کا مستقبل اس قدر اہم چیز ہی کہ بری صحبتوں کے اثرات سے اس کو محفوظ رکھنا نہایت ضروری ہے۔

بچّے کا ذہن صاف سلیٹ کی مانند ہی۔ اس پر ہر چیز لکھی جا سکتی ہی۔ لیکن جو شخص صحیح اور مفید چیزیں لکھنے کی لیاقت نہ رکھتا ہو اس کو اس سلیٹ پر نہ لکھنے دیا جائے۔ جو چیز بچّے کے سامنے آتی ہی وہ اس کو قبول کرنے کے لئے آمادہ ہوتا ہی۔ اور اپنے حالات گرد و پیش اور شریک صحبت اشخاص سے بہت جلد متاثر ہو جاتا ہی اس لئے ایسے لوگوں میں یہ قابلیت ہونی چاہیئے کہ بچّے کے دماغ پر بہترین اثر ڈال سکیں۔

ماں سے یہ توقع نہیں کرنی چاہیئے کہ وہ اپنے بچوں کی تمام وکمال نگرانی و پرورش کما حقہ کرسکے گی۔ بلکہ ان کی مناسب و ضروری تربیت کا انتظام کرنا چاہیئے ورنہ بچوں کے ساتھ انصاف کرنے کا حق ادا نہ ہوگا۔ مثل ہے کہ "جوئیندہ یابندہ" جو لوگ اپنے بچوں کو اعلیٰ فوائد اور با اصول تربیت سے بہرہ اندوز کرنا چاہتے ہیں وہ ضرور کوئی نہ کوئی راہ پیدا کر سکتے ہیں۔

بچوں کے ساتھ درست اور مفید گفتگو کرنے کے لئے ضروری ہے کہ فقرے کو ادا کرنے سے پہلے سوچ لیا جائے اور اس اصول کو نہ صرف ان کے عجیب سوالوں کے جواب دینے میں بلکہ ان کے میلان و توجہ کو صحیح راستے پر لگانے کے لئے بھی مدّ نظر رکھنا واجب ہے۔

بچوں کی اصلاح کرتے وقت یہ نہ سمجھ لینا چاہیئے کہ بچہ کوئی ادنیٰ ہستی ہے جس کو ہر قدم پر روکنے ٹوکنے کی ضرورت ہے۔ بلکہ اس کے برعکس بچے کا دماغ اکثر حالات میں ایسا ہی روشن و بیدار ہوتا ہے جیسا والدین اور بزرگوں کا۔ بلکہ اکثر ان سے بھی زیادہ۔ فرق صرف یہ ہوتا ہے کہ بزرگوں کا دماغ خوف و اغلاط سے بھرا ہوتا ہے اور چند ناقص تجربوں کے سوا ان کے پاس کچھ نہیں ہوتا اور بچے کا دماغ بالکل پاک و صاف ہوتا ہے۔ بچے کی فراست لطیفہ اکثر صورتوں میں بزرگوں کے فیصلے سے کہیں بہتر ہوتی ہے۔ لیکن بچے کو اس کے استعمال کی اجازت نہیں دی جاتی اور اس طرح دماغ انسانی کی بہترین قوت

ترقی سے محروم رہتی ہے۔

جس طرح ہم بڑے آدمیوں سے علمی انداز سے گفتگو کرتے ہیں بالکل اسی طرح بچوں سے بھی کر سکتے ہیں صرف زبان اور انداز بیان کو زیادہ سلیس وسہل بنانے کی ضرورت ہے۔ اگر قابل فہم طرز اختیار کیا جائے تو بچہ ہر بات سمجھ سکتا ہے اس لئے کہ اس کے ذہن میں آسانی سے تہ تک پہنچ جانے کی قوت ہوتی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ زندگی کے اہم ترین باتوں کا ذکر بچے کے سامنے کیا جاتا ہے اور ہم دیکھیں گے کہ بچہ ان کو سمجھتا اور ان سے دلچسپی ظاہر کرتا ہے۔

اگر ہم اس زمانے پر غور کریں جب ہم چھ سات برس کے تھے اور یاد کریں کہ اس وقت ہمارے خیالات زندگی کے متعلق۔ خدا کی ازلی و ابدی ہستی کے متعلق اعلیٰ اور عظیم ترین چیزوں کے متعلق کیا تھے تو ہم اندازہ کر سکیں گے کہ ان میں سے اکثر خیالات آج بھی ہمارے اعلیٰ سے اعلیٰ خیالات ہیں۔ وہ خیالات اس قدر بلند اور خوب صورت تھے کہ زمانہ مابعد میں ہم ان پر کوئی اضافہ نہ کر سکے۔ بجز اس فرق کے کہ وہ خیالات جن اصول پر مبنی تھے اب ہم کو ان اصول کا پہلے سے بہتر و روشن تر علم حاصل ہو گیا ہے۔

جب بچہ کسی راز حیات کو سمجھنا چاہے تو اس سے یہ نہ کہنا چاہیئے کہ تم اس کو نہیں سمجھ سکتے۔ اس سے یہ کہنا کہ تمھاری عقل و فہم نہایت محدود ہے اس کے دماغ کو محدود و تنگ کر دینا ہے۔ وہ سمجھ لے گا کہ میں مجبور و نااہل ہوں۔ اور

اسی وقت سے اس کے اندر ایسا میلان پیدا ہو جائے گا جو آئندہ ترقیات ذہنی کی ہر کوشش میں مانع آئے گا۔ یاد رکھنا چاہیے کہ اگر ہم یہ سمجھنے کی عادت ڈال لیں گے کہ ہمارے ذہن کوتاہ، ناقابل اور محدود ہیں تو ان حدود سے آگے بڑھنا ہمارے لئے نہایت دشوار ہو جائے گا۔ جو سمجھتا ہے کہ میں کر سکتا ہوں وہ کر بھی سکتا ہے اور جو نہیں سمجھتا کہ میں کر سکتا ہوں اس کی قوّت اور ذہنی وسعت عموماً اس کی پیدا کردہ حدود کے اندر بند رہ جاتی ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ بچہ جن عجیب باتوں کے متعلق سوال کرتا ہے ان کو بے شک وشبہ سمجھ سکتا ہے اور جانتا ہے کہ سمجھ سکتا ہے لیکن جب اس سے کہا جاتا ہے کہ تم نہیں سمجھ سکتے تو اس کے ذکی الحس ذہن کو صدمہ پہنچتا ہے اور اس کو اس درجہ معذور و بے کار کر دیتا ہے کہ ہم اس کا اندازہ و تصور بھی نہیں کر سکتے۔ جب تم اس سے کہتے ہو کہ وہ ان سوالوں کا جواب نہیں سمجھ سکتا تو اس کے دماغ کو اس خیال سے متاثر کر دیتے ہو کہ وہ ادنیٰ وحقیر ہستی ہے اور جو شخص عادتاً اپنے آپ کو ادنیٰ و حقیر سمجھنے لگتا ہے وہ اکثر ادنیٰ وحقیر ہی ہو جاتا ہے یہ نہایت اہم بات ہے اور دماغ کو تمام اثرات سے زیادہ اس اثر سے محفوظ رکھنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

بچے کو نہایت وثوق و وضاحت کے ساتھ یقین دلاؤ کہ تم تمام سوالوں کے جواب بخوبی سمجھ سکتے ہو۔ اس سے صاف صاف کہدو کہ تم اعلیٰ سے اعلیٰ معیار پر پہنچ سکتے ہو اور اس کے وجوہ بھی اس کے سامنے بیان کر دو۔ اس سے

بیان کرو کہ تمھارے اندر بڑی بڑی قابلیتیں موجود ہیں۔ اس کو امکانات زندگی سمجھاؤ۔ اس کو عجائبات ہستی کے سمجھنے کی ہمت و جرأت دلاؤ۔ اس سے کہدو کہ تمھارے دل میں جو بات جو خیال آئے اس کے متعلق سوال کرو۔ اس کی ذات کی حقیقی وسعت و عظمت اس کے ذہن نشین کرو اور جس قدر جلد ممکن ہو اس کو یقین دلا دو کہ خلاقِ عالم نے معراجِ کمال تک پہنچنے کی قوت و قابلیت تمھارے اندر ودیعت کی ہی اور کوشش کرو کہ اس اندرونی استعداد و قوت پر اس کا کامل ایمان ہوجائے۔ یہ بات اس کو مغرور و متکبر نہ بنائے گی عجب و غرور تو کم ظرف لوگوں کا خاصّہ ہی۔ جب ہم یہ سمجھ لیں گے کہ خالق کائنات نے اپنی قدرت کاملہ سے ہمارے اندر عجیب قوتیں اور حیرت انگیز امکانات خلق کئے ہیں تو ہم کو معلوم ہو جائے گا کہ جن دماغوں کو ان اعلیٰ مقاصد و بلند خیالات کی عظمت شان سے مس نہیں ان ہی میں سودائے غرور و نخوت بھر جاتا ہی۔

جب دماغ کو واقعی طور پر ادراک و احساس ہو جاتا ہی کہ اس کے اندر غیر محدود طاقت ہی اور حقیقی عظمت جو وہ دنیا میں حاصل کرسکتا ہی بیرونی حالات اور سطحی زندگی کا نتیجہ نہیں بلکہ خود اس کی حیات عالیہ کی گہرائیوں ہی سے پیدا ہوتی ہی تو غرور، نخوت و تکبر کے تمام خیالات کلّی طور پر غائب ہوجاتے ہیں۔ جب ہم عظمت حقیقی کے امکانات اپنے اندر دریافت کرلیتے ہیں تو ہماری توجہ اور قوت عمل کے لئے ایسے اہم مقاصد منکشف ہو جاتے ہیں کہ ادنیٰ ادنیٰ باتوں پر غرور کرنے کی

فرصت ہی نہیں ملتی۔

جب ہم کو اس امر کا ادراک ہوتا ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی تصویر ہے[1] اور تمام انسان یکساں غیر محدود امکانات رکھتے ہیں تو زندگی کی خوبصورتی اور تمام متعلقات زندگی کی رفعت و عظمت ہمارے خیالات کو اس درجہ بلند کردیتی ہے کہ ہم غرور و نخوت کو ہمیشہ کے لئے بھول جاتے ہیں اور بچے کا دماغ بمقابلہ بڑے آدمیوں کے ایسے خیالات کی رفعت و حسن سے زیادہ آسانی کے ساتھ متاثر ہو جاتا ہے۔ بڑے آدمیوں کو اثر پذیری کے لئے اس بات کا احساس پیدا کرنے کی ضرورت ہوتی ہے کہ ان کے اندر ایک غیر فانی شباب اور نامحدود قوت ودیعت کی گئی ہے اور بچے کو یہ احساس پہلے ہی سے ہوتا ہے۔

ساتواں باب

تعمیرِ سیرت

ہم بچوں سے اکثر کہا کرتے ہیں کہ "تم برے آدمی ہو"۔ بچوں کی اعلیٰ تربیت منظور ہے تو ہم کو یہ عمر بھر کی عادت یک لخت چھوڑ دینی چاہیے۔ آج بہت سے والدین اپنی آوارہ اولاد کے ہاتھوں صرف اس لئے پریشان ہیں کہ ان کی برائی کا

---

[1] حدیث شریف میں ہے اِنَّ اللّٰہَ خَلَقَ اٰدَمَ عَلٰی صُوْرَتِہٖ (اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنی صورت پر پیدا کیا ہے) (مترجم)

خیال بار بار اور زور کے ساتھ ان کے ذہن نشین کیا گیا تھا۔ بچے سے ہنسی کے طور پر بھی بار بار یہ کہو گے کہ "تم برے آدمی ہو" تو وہ اس کا یقین کر لے گا۔ اور جب کسی کو یقین ہو جاتا ہے کہ وہ برا ہے تو برائی کا خیال اس کی طبیعت ثانیہ بن جاتا ہے اور اس کے اندر برے میلانات، خواہشات اور خیالات پیدا ہو جاتے ہیں۔ جن کا نتیجہ افعال شنیعہ و اعمال قبیحہ ہوتے ہیں۔ ہمیشہ اوّل برے خیالات پیدا ہوتے ہیں اور ان کے بعد برے اعمال سرزد ہوتے ہیں اور برے خیالات اسی دماغ سے نکلتے ہیں جس کو برا ہونے کا یقین دلایا گیا ہو۔

بچے کی تعمیر سیرت کے لئے اس کے دماغ کو ہمیشہ نکوکاری، پارسائی، خوش خلقی، صداقت، خوبصورتی اور رفعت و علو کے خیالات سے معمور کرنا چاہیئے اور مخالف اثرات پیدا کرنے سے ہمیشہ محفوظ رکھنا چاہیئے۔ بچے کو اس کی برائی کا یقین دلانا اس کے دماغ میں زہریلا بیج بونا ہے اور کوئی بچہ ایسا نہ ملے گا جو روزانہ اسی خیال سے متاثر نہ کیا جاتا ہو۔ اس لئے دنیا میں کثرت سے کمزور و ناقص کیرکٹر کے آدمیوں کا وجود مطلق حیرت انگیز نہیں بلکہ اس بات پر بجا طور پر تعجب ہو سکتا ہے کہ دنیا میں عمدہ سیرت کے انسان بھی موجود ہیں ہم اپنے بچپن کے طریقۂ تربیت پر نظر کر کے موجودہ نیکی و خوبی پر بھی اپنے آپ کو مبارک باد دے سکتے ہیں اور یہ واقعہ اس بات کو ثابت کرتا ہے کہ انسان[1] فطرتاً نیک

---

[1] کل مولود یولد علی الفطرۃ فابواہ یھودانہ و یمجسانہ و ینصرانہ (حدیث شریف)
ہر بچہ فطرت صحیح پر پیدا ہوتا ہے۔ پھر اس کے ماں باپ اس کو یہودی، مجوسی اور نصرانی بنا لیتے ہیں (مترجم)

پیدا کیا گیا ہی جو باوجود ابتدائی تربیت کے اثرات مخالف کے بدی سے زیادہ نیکی کی طرف مائل ہوتا ہی۔

اس واقعہ کو تسلیم کرنے کے بعد واضح ہوجاتا ہی کہ آغاز عمر میں بچّے کی موزوں تربیت کیسے اعلیٰ نتائج پیدا کر سکتی ہی۔ حقیقت یہ ہی کہ کوئی بچّہ بُرا نہیں ہوتا، اگر اس کے افعال درست نہیں ہوتے تو اس کا سبب عموماً نہایت سطحی و معمولی ہوتا ہی۔ مثلاً اس بات سے ناواقفیت کہ زائد انرجی کو کس طرح صرف کرنا چاہیے لیکن یہ سبب نہایت آسانی سے رفع کرنا ممکن ہی۔

ممکن ہی کہ ہر بچّے میں بعض بُرے رجحانات خلقی و موروثی ہوں لیکن ان رجحانات کو فقدان تربیت یا غلط تربیت کے ذریعہ سے قوی نہ ہونے دیا جائے جب تم ان بُرے رجحانات کی طرف بچّے کی طبیعت کو متوجہ کروگے یا اس سے کہوگے کہ تم بُرے اور خراب آدمی ہو تو وہ رجحانات قوی تر ہوجائیں گے۔ بچّے کو اس کی بُرائی کا یقین دلاؤ اور وہ بالیقین زیادہ بُرا ہوجائے گا۔ گویا تم اس آگ کو جو روشن نہ رہنی چاہیئے اور نہایت آسانی سے بجھائی جا سکتی ہی اور بھڑکاتے ہو۔

جب تم بچّے کے دماغ کو عمدہ اور مفید خیالات سے متاثر کروگے تو نہایت اعلیٰ میلانات پیدا ہوں گے اور اگر بچّے کی ہمت افزائی کرکے ان رجحانوں کو قوی و مستحکم بنایا جائے تو وہ اپنی قوت سے تمام میلانات بدی کو مغلوب و فنا

کر دیں گے۔ تاریکی ہمیشہ روشنی کے سامنے غائب ہو جاتی ہے۔ اگر تم بچے کو اس بات کا یقین دلا دو کہ دنیا کا ہر عمدہ وصف اس کی خلقت میں موجود ہے۔ وہ نیک اور اچھا انسان بننے کی قوت اپنے اندر رکھتا ہے بلکہ حقیقت میں وہ اچھا ہی ہے تو چند سال کے عرصہ میں تمام عاداتِ بد اور اوصاف رذیلہ جو وراثت یا خلقت کے اثر سے اس میں آ گئے تھے قطعی طور پر رفع ہو جائیں گے۔

بچے کو جھڑکنا گویا ایک حساس اور ذکی التاثر دماغ کو صدمہ پہنچانا ہے۔ اور اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ اس کی شقاوت قلب پہلے سے زیادہ ہو جائے گی۔ اس لئے دونوں صورتوں میں یہ عادتِ زجر و توبیخ مضر ہے۔ یعنی اگر بچے کا دماغ ذکی الحس ہے تو ظاہر ہے کہ اس کے اندر جوہرِ عظمت و علو موجود ہے۔ ایسا بچہ قوائے عظیمہ و امکانات جلیلہ کا حامل ہے اور صدمہ زجر و توبیخ کے ذریعہ سے اس کی زندگی کو برباد کرنا ہرگز نہ چاہیئے اور اگر اس کا دماغ ضعیف الحس اور بطی التاثیر ہے اور آثار شقاوت اس کے اندر نمایاں ہو چلے ہیں تو وہ بھی کچھ کم قابل قدر اور لائق توجہ نہیں۔ چند نہایت سادہ و آسان اصول پر عمل کر کے اس کو راہِ راست پر لانا بسہولت ممکن ہے۔

بچے سے کام لو تو اس کی وجہ بھی بتاؤ۔ اس سے صرف نہ کہو کہ یہ کام کرو وہ کام کرو۔ بلکہ عمدہ معقول اور منطقی دلیل بھی بیان کرو۔ کسی شخص پر بھی کبھی تحکم نہ کرنا چاہیئے۔ خصوصاً بچے پر۔ جبر و زبردستی سے کبھی مستقل فائدہ و

فلاح حاصل نہیں ہوتی۔ عقیدت و محبت کی طاقت ہی معراج کمال کا زینہ ہے اور
یہی دونوں فضائل جلیلہ ہر شخص کو عظیم تر اور بہتر چیزوں کی طرف رہنمائی کر سکتی ہیں۔
بچے کو سمجھاؤ کہ اس کا تمام مستقبل اس کے ہر خیال، ہر قول اور ہر فعل سے
متاثر ہونے والا ہے اور اس کی وجہ بھی بتاؤ۔ اس ترکیب سے اس کے دماغ میں صحیح و
اعلیٰ خیالات پیدا ہوں گے۔ اور بڑے بڑے کام انجام دینے کی قابلیت حاصل
ہوگی۔ ہر بچہ نئے نئے خیالات کی غیر معمولی قابلیت رکھتا ہے اور یہ قوت مستقل
طور پر ترقی پا سکتی ہے اگر اس کو ہر کام کی جو اس سے لیا جائے وجہ بتا دی جائے۔
بچے کو سکھاؤ کہ اس کی زندگی بھی دنیا میں ایک قوت ہے۔ اس کو احساس دلاؤ
کہ اس کے اندر ایسی غیر معمولی قوت ہے جو نہ صرف اس کی ذات کے لئے بلکہ تمام نوع بشر
کے لئے قابل قدر ہو سکتی ہے۔ اس کے دل میں ہمدردی عامہ کا اثر و احساس
پیدا کرو۔ اور یہ بات سمجھاؤ کہ وہ بھی دنیا میں ایک مقصد جلیل کے لئے پیدا ہوا ہے۔
نتیجہ یہ ہوگا کہ اس کو ذمہ داری کا احساس ہو جائے گا اور اس بات کے جاننے کی
کوشش کرے گا کہ اپنے مقصد حیات کو کس طرح بہترین صورت سے پورا کرے۔
بچے کو اس بات کا احساس دلاؤ کہ تم اس سے کسی نہایت اہم کام کے
انجام دینے کی توقع رکھتے ہو۔ اور پھر اس کی قابلیت و اہلیت پر پورا اعتماد کرو
یہ اعتماد و اعتبار نہایت ضروری و اہم ہے۔ اس ترکیب سے والدین اور بچے دونوں
کے قوائے جلیلہ تحریک پائیں گے۔ بچے کی تربیت کا بڑا اصول یہ ہے کہ اس کے

قوائے عالیہ کو پیش نظر رکھا جائے اور جہاں تک ممکن ہو اس کی فطری کمزوریوں اور خامیوں کو نظرانداز کیا جائے۔ اس کی اصلی قوت اور حقیقی عظمت و وقعت پر بار بار زور دو تاکہ وہ اپنی کمزوریوں پر غالب آسکے۔ جس قدر جلد ممکن ہو اُس کو یہ بات ذہن نشین کر دو کہ وہ بہترین استعداد و اہلیت کا مالک ہے۔ اس کو بتاؤ کہ وہ کیا کیا کام انجام دینے کی قابلیت رکھتا ہے۔ اپنی گفتگو میں ایسا انداز پیدا کرو کہ اس کے سامنے جو کچھ کہو اس سے بچے کی فطرت کا بہترین و برترین پہلو اس کے ذہن پر موثر ہو۔

لیکن اپنی گفتگو کو ایسا تنگ اور محدود نہ کر دو کہ صرف چند خیالات کا بار بار اعادہ کرتے رہو۔ بلکہ ایک وسیع میدان پیش نظر رکھو اور اس کی عادت ڈالو کہ خیالاتِ عالیہ و مقاصدِ جلیلہ کے متعلق ہر قسم کی گفتگو کر سکو۔ بالفاظِ دیگر یوں کہنا چاہیئے کہ بچے سے جو کچھ کہو وہ علوی خیالات کی طرف اس کی رہنمائی کرے اور اس کو موقع دو کہ قدرت کے تمام مادی و غیرمادی، مرئی و غیرمرئی عالموں کے متعلق سوال کر سکے۔

بچے سے ایسی کوئی بات نہ کہو جس سے اس کو اپنی حقارت و ذلت کا احساس پیدا ہو۔ یہ حقیقت اس کے ذہن نشین کر دو کہ تمام عناصر عزت و عظمت اس کی فطرت میں موجود ہیں اور اس کو احسن الخالقین نے احسنِ تقویم پر پیدا کیا ہے اور اس کو سکھاؤ کہ اپنے تمام خیالات اور تقریروں میں اس حقیقت عظمیٰ کو پیش نظر

رکھے تاہم اس طریقۂ تعلیم پر بچے کی مرضی کے خلاف عمل نہ کیا جائے۔ اس کو مہلت اور وقت دو اور بتدریج اس طریقہ پر عمل کرو۔ لیکن کوئی موقع جو تمھارے مجوزہ مقصد کے پورا کرنے کے لئے ملے ہاتھ سے نہ جانے دو۔

اس بات پر کامل یقین اور غیر محدود اعتماد رکھو کہ بچہ تمھاری ہدایت پر مستعدی کے ساتھ عمل کرے گا۔ تو تمھارے اور اس کے دماغوں میں اعلیٰ ہمدردی اور اتحاد پیدا ہو جائے گا۔ اور دونوں دانستہ و نادانستہ ان ہی مقاصد و ارادات کے تکمیل کی طرف متوجہ ہو جائیں گے جو بچے کے ذہن پر نقش کر دیئے گئے ہیں۔ وہ ویسا ہی بن جائے گا جیسا تم بنانا چاہتے ہو۔ وہی کام کرے گا جو تم نے اس کی آئندہ زندگی کے لئے تجویز کئے ہیں اور اپنے لئے وہ مستقبل پیدا کرے گا جو اس وقت تمھارے لئے صرف خواب و خیال ہی ہے۔

تمام شد

ت

Subconseions	نیم شعوری
Energy	قوتِ عمل
Constructive	تعمیری
Desbructive	تخریبی
Nerves	اعصاب
Nerve centres	مراکزِ عصبی
Conservation	تحفظ
Transmeetation	قلبِ ماہیت ، انتقال
Creative energy	تولیدی قوت
Poise of action	توازنِ عمل
Imagination	تخیل
Impressions	اثرات
Pereeptions	احساسات
Finer perceptions	احساساتِ لطیفہ
Concepts / Conceptions	تصورات
Ideas	خیالات
Environment	ماحول ۔ حالات گردوپیش
Inherited tendencies	رجحاناتِ موروثی
Prsnatal influonces	موثراتِ قبل ولادت